حضرت
بلال رضؓ
(رائٹر مشہور انگریزی فلم)
The Message
ہیری آرتھر کریگ
ترجمہ: محمد یحییٰ خان

Marfat.com

Marfat.com

21501

حضرت بلالؓ

تصنیف: ہیری آرتھر کریگ

(مصنف فلم: "The Message")

ترجمہ: محمد یحیٰ خان

نگارشات

Marfat.com

A translation of
"BILAL"
Written by:
H.A.L. CRAIG
Translated by:
Mohammad Yahya Khan
Published by:
Asif Javed.

1122 ٩٣
5
112204

All rights reserved. No part of this book may be reproduced in any form or by any means, electronic or mechanical, including photocopying, recording or by any information storage retrieval system, without prior permission of the publisher.

جملہ حقوق بحقِ ناشر محفوظ ہیں

نام کتاب: حضرت بلالؓ
مصنف: ہیری آرتھر کریگ
ترجمہ: محمد یحییٰ خان
ناشر: آصف جاوید
برائے: نگارشات پبلشرز، 24۔مزنگ روڈ، لاہور
Ph:+92-42-37322892 Fax:37354205
کمپوزنگ: سمیر احمد
مطبع: شاہ محمد شاہ پرنٹر، لاہور
سال اشاعت: 2012ء
قیمت: -/200 روپے

Marfat.com

فہرست

عرض مترجم 5

حضرت بلالؓ کے بارے میں چند اہم نکات 9

میری غلامی کے شب و روز 11

اصل مفسد کون تھا 12

موت اور زندگی 26

مجھے پھر خرید لیا گیا 29

رسالتمآبؐ سے پہلی ملاقات 32

ابوبکر صدیقؓ سے ملاقات 38

حضرت محمدؐ کا بچپن اور جوانی ...... جو کچھ میں نے سنا اور پایا 43

آپؐ کی پہلی شادی 49

پہلی وحی کا نزول 53

آغاز نبوت اور نزول وحی کی تاریخ 55

وحی کی بندش اور دوبارہ نزول 55

تبلیغ کا آغاز 57

نزول وحی کا زمانہ 60

حضور پر قرآن بطور وحی نازل ہوا 62

وحی آنے کے طریقے 65

Marfat.com

نفرت کا اصل سبب 70
کفار کے خدشات بے جا نہ تھے 75
اذیتیں اور ہجرتِ حبشہ 79
معاشرتی بائیکاٹ: شعب ابی طالب میں محصوری 88
بڑے بڑے لوگوں کا قبولِ اسلام حضرت حمزہؓ اور حضرت عمرؓ 94
ہاتفِ غیبی 98
چھ سالہ بیٹے کا بیان 100
حزن وملال کا سال 102
سفرِ طائف...... حضورؐ پر ظلمِ عظیم 107
عدّاس کا قبولِ اسلام 110
واپسی پر مکہ میں حضورؐ کا داخلہ کیسے ہوا 111
آپؐ ایک شہر کیسے پیش کیا گیا 112
اَوس اور خزرج کی ابتدائی تاریخ 116
مدینے کے اوّلین شخص کی حضور سے ملاقات 118
مدینے کے ایک دوسرے وفد سے ملاقات 118
انصار کا قبولِ اسلام اور پہلی بیعت عقبہ 120
مدینے کا دوسرا وفد اور دوسری بیعت عقبہ 121
مصعبؓ بن عمیر کی مدینہ روانگی 121
بلال سے سیّدنا بلال تک 126
رسول اللہؐ کا سفرِ ہجرت 129
اونٹنی کا فیصلہ 134
اوّلین مسجد کی تعمیر 136

Marfat.com

عرضِ مترجم

اسلام، مسلمانوں کا دین اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ملجا و ماوٰی اور عقیدتوں کے مرکز و محور ہیں، جیسا کہ اقبال نے کہا ہے ''بمصطفٰے برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست، اگر بہ او نہ رسیدی تمام بولہبی است۔'' آپؐ کے حوالے سے ہمیں سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ سے محبت ہو جاتی ہے۔ کیونکہ وہ امام الانبیاء احمد مجتبٰی صلی اللہ علیہ وسلم کے مخلص ترین خادم تھے۔ جنہوں نے ابوبکر صدیقؓ کے ذریعے اپنے مشرک آقا کی غلامی سے نجات پائی تھی اور پھر ہمیشہ کے لیے نبی اکرمؐ کے ہو کر رہ گئے تھے اور ایک سائے کی طرح آپؐ کے گرد و پیش میں موجود رہتے۔ آپؐ سفر میں ہوتے یا حضر میں، میدانِ جہاد میں یا منبر و محراب میں، یہ آپؐ کے ساتھ ہوتے اور اگر آپؐ گھر میں تشریف فرما ہوتے یہ باہر دہلیز پر، اندر سے آنے والی ہر آواز پر ہمہ تن گوش رہتے۔ اگر طلبی ہوتی تو اپنے آپ کو اور اپنے ہر آرام و آسائش کو بھول کر حاضر ہو جاتے۔ بلالؓ کی سعادتمندیوں میں ایک اعزاز اوّلین مؤذنِ اسلام ہونا بھی شامل ہے۔ جنہوں نے مدینہ منورہ میں بھی پہلی اذان کہی اور کچھ عرصہ بعد ''دنیا کے بت کدے میں خدا کے پہلے گھر'' کعبۃ اللہ کی چھت پر چڑھ کر ''اللہ اکبر اللہ اکبر'' اور اشھدُ انّ محمد رسول اللہ کی روحانیت افروز صدا (اذان) لگائی۔

نبی اکرمؐ کی نظرِ انتخاب حضرت بلال جیسے مومنِ صادق، حق پرست اور امین پر اس لیے پڑی کہ اس جوہرِ قابل میں تعلیم و تربیت اور تقلید و اتباع کے ساتھ خلوص، محبت اور دیگر فضائلِ انسانی کی خصوصیات بدرجہ اتم موجود تھیں۔ وہ ہمیشہ ایک جاں نثار باڈی گارڈ کے طور پر رہے لیکن رسول اللہ نے انہیں اس طرح کا باڈی گارڈ نہیں سمجھا جس طرح امراء و سلاطین

Marfat.com

کے اجرتی ملازم ہوتے ہیں۔ حضرت بلالؓ نے از خود رسول خدا کی معیت ونگرانی کے فرائض اپنے ذمہ لے لیے تھے۔ اس لیے کہ ان کو رسول کے ہمہ وقتی خادم کے طور پر کام کرتے ہوئے قلبی سکون اور روحانی لذت حاصل ہوتی تھی۔ سفر کے دوران جب سخت دھوپ ہو جاتی تو آنحضرتؐ پر سایہ کرنے کے لیے کسی موٹے کپڑے کا اہتمام کرتے۔ حالانکہ آپؐ نے ان سے کبھی اس کی فرمائش نہیں کی تھی۔

جنگ کا زمانہ ہوتا تو بلالؓ خیمہ رسولؐ اور میدانِ جنگ کے درمیان آمد ورفت رکھتے اور آپؐ کو تمام حالات سے واقف رکھتے اور احکامِ نبوی کی تعمیل کے لیے نہ انہیں کوئی مشکل پیش آتی اور نہ کسی قسم کے خطرے کو خاطر میں لاتے تھے کیونکہ یہ جان کا مسئلہ نہیں ایمان کا معاملہ تھا۔ یہ اس زندگی کو ہتھیلی پر لیے پھرتے تھے جسے وہ اسلام اور داعیِ اسلام پر وار دینے کا تہیہ کر چکے تھے۔ جب انہوں آپؐ کے حکم پر خانہ کعبہ پر چڑھ کر اذان دی تو وہ کیسا منظر ہوگا اور شرک وکفر کی تیرگیوں کو چیرنے والی وہ کیسی آواز ہوگی جس نے کعبہ کے گرد وپیش کو مرتعش اور سننے والوں کے دلوں کو چوم لیا تھا۔

بلال کی محبتِ رسول کے واقعات صدیوں سے اہلِ ایمان کے دلوں کو گرما رہے ہیں۔ ہم ذیل میں علامہ اقبال کی دو نظمیں نقل کر رہے ہیں جن میں ان سے اظہارِ عقیدت کیا گیا ہے۔ یہ دونوں بانگِ درا میں ہیں:

چمک اٹھا جو ستارہ ترے مقدّر کا — حبش سے تجھ کو اٹھا کر حجاز میں لایا
ہوئی اسی سے ترے غمکدے کی آبادی — تری غلامی کے صدقے ہزار آزادی
وہ آستاں نہ چھٹا تجھ سے ایک دم کے لیے — کسی کے شوق میں تو نے مزے ستم کے لیے

جفا جو عشق میں ہوتی ہے وہ جفا ہی نہیں
ستم نہ ہو تو محبت میں کچھ مزا ہی نہیں

نظر تھی صورت سلمانؓ ادا شناس تری — شرابِ دید سے بڑھتی تھی اور پیاس تری
تجھے نظارے کا مثلِ کلیمؑ سودا تھا — اویسؓ طاقتِ دیدار کو ترستا تھا
مدینہ تیری نگاہوں کا نور تھا گویا — ترے لیے تو یہ صحرا ہی طور تھا گویا

Marfat.com

تری نظر کو رہی دید میں بھی حسرتِ دید — خنک دِلے کہ تپید و دمے نیا سائید
گری وہ برق تری جانِ نا شکیبا پر — کہ خندہ زن تری ظلمت تھی دستِ موسیٰ پر

تپش ز شعلہ گرفتند و بردلِ توزدند
چہ برقِ جلوہ بخاشاک حاصلِ تو زدند!

ادائے دید سراپا نیاز تھی تیری — کسی کو دیکھتے رہنا نماز تھی تیری
اذاں ازل سے ترے عشق کا ترانہ بنی — نماز اس کے نظارے کا اک بہانہ بنی

خوشا وہ وقت کہ یثرب مقام تھا اس کا!
خوشا وہ دَور کہ دیدار عام تھا اس کا!

لکھا ہے ایک مغربئ حق شناس نے — اہلِ قلم میں جس کا بہت احترام تھا
جولانگہِ سکندرِ رومی تھا ایشیا — گردوں سے بھی بلند تر اس کا مقام تھا
تاریخ کہہ رہی ہے کہ رومی کے سامنے — دعویٰ کیا جو پورس و دارا نے خام تھا
دنیا کے اس شہنشہِ انجم سپاہ کو — حیرت سے دیکھتا فلکِ نیل فام تھا

آج ایشیا میں اس کو کوئی جانتا نہیں
تاریخ دان بھی اسے پہچانتا نہیں

لیکن بلالؓ، وہ حبشی زادۂ حقیر — فطرت تھی جس کی نورِ نبوت سے مستنیر
جس کا امیں ازل سے ہوا سینۂ بلالؓ — محکوم اس صدا کے ہیں شاہنشہ و فقیر
ہوتا ہے جس سے اسود و احمر میں اختلاط — کرتی ہے جو غریب کو ہم پہلوئے امیر!
ہے تازہ آج تک وہ نوائے جگر گداز — صدیوں سے سُن رہا ہے جسے گوشِ چرخِ پیر

اقبالؔ کس کے عشق کا یہ فیضِ عام ہے؟
رومی فنا ہوا، حبشی کو دوام ہے؟

برطانوی مصنف ہیری آرتھر کریگ (متوفی 1978ء) نے حضرت بلالؓ کی سوانح حیات اور اس میں شامل حضور اکرمؐ کی حیات طیبہ کے بعض گوشوں پر صیغہ واحد متکلم

Marfat.com

میں روشنی ڈالی ہے۔ تاکہ اسے زیادہ دلچسپ اور زندہ روئداد بنایا جا سکے۔ (first person)
کریگ مشہور انگریزی فلم ''دی میسیج'' کا مصنف بھی ہے۔ اسے یہ مواد کہاں سے ملا، اس کے بارے میں حتمی طور پر تو کچھ نہیں کہا جا سکتا لیکن غالب گمان یہ ہے کہ علامہ اقبال نے یورپ کی بعض لائبریریوں میں موجود جن قدیم اسلامی کتب کی طرف اشارہ کیا ہے، یہ مواد ان میں سے اخذ کیا گیا ہے، جیسا کہ بانگ درا میں ''خطاب بہ جوانانِ اسلام'' کے عنوان سے لکھی گئی نظم میں کہا گیا ہے:

''مگر وہ علم کے موتی، کتابیں اپنے آبا کی
جو دیکھیں ان کو یورپ میں تو دل ہوتا ہے سیپارہ''

خودنوشت سوانح عمری ''جیسی'' اس کتاب میں حضرت بلالؓ نے، اپنے والدین کے حالِ زار سے بات شروع کر کے اپنی غلامی کے چونکا دینے والے واقعات، ابوبکر صدیقؓ کے ایثار کی بدولت رہائی پانے کی روئداد، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی پہلی ملاقات اور پھر عمر بھر آپؐ کے ساتھ رہنے، آپؐ کی شادیاں ہونے اور، ازواج مطہرات کے حالات کا بڑی تفصیل سے ذکر کیا ہے۔

امید ہے کہ قارئین اس ایمان افروز کتاب کو بہت دلچسپ پائیں گے اس سے ان کی روحانی کیفیات میں بھی تموج پیدا ہوگا۔

محمد یحییٰ خان، ایم اے ایل ایل بی
356 جہانزیب بلاک علامہ اقبال ٹاؤن لاہور
فون 37801240۔ موبائل 0323-4574298

Marfat.com

حضرت بلالؓ کے بارے میں چند اہم نکات

دنیائے اسلام بلالؓ سے بے پناہ محبت کرتی ہے۔ انہیں اسلامی دنیا میں جو عزت و توقیر حاصل ہوئی وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ٹوٹ کر محبت کرنے، آپؐ کی دل و جان سے خدمت کرنے اور ظلم و ستم سہنے کے باوجود کلمۂ توحید بلند کرنے کی وجہ سے ملی تھی۔ بلالِ حبشی کے ساتھ مسلمانوں کی عقیدت و محبت ہی کا نتیجہ تھا کہ بہت ہی کم لوگوں نے ان کے حالاتِ زندگی کو قلمبند کرنے کی ضرورت سمجھی، کیونکہ وہ انہیں ہمیشہ اپنے میں پاتے تھے۔ جو ہستی ہمیشہ ہی خیالوں میں گھومتی رہے، اس کے بارے میں لکھنے کی کیسے ضرورت پڑ سکتی ہے۔ لوگ بلالؓ کے بارے میں اتنا کہہ دینا ہی کافی سمجھتے ہیں کہ وہ ہمیشہ ہی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس رہتے تھے جس کی وجہ سے آپؐ ان سے بہت محبت کرتے تھے۔ ان تاریخی لمحات کے بارے مین جتنی پینٹنگز اور مخطوطات اہل مغرب پاس آج کل موجود ہیں ان میں بلالؓ جھکی ہوئی نگاہوں اور اپنی سیاہ رنگت کے باعث صاف پہچانے جاتے ہیں۔

(امر قابل ذکر ہے کہ نبی صلعم کے زمانے میں سرزمین عرب میں تصویر کشی رائج نہیں تھی، بعد کے ادوار میں کمزور عقیدے کے لوگوں نے مقدس شخصیتوں کی جو خیالی تصاویر بنائی ہے فاضل مصنف نے یہ بات ان کے حوالے سے لکھی ہے............مترجم)

بلالؓ کے بارے میں چند حقائق یہ ہیں:

- ان کی پیدائش مکہ مکرمہ میں ہوئی، ان کے والد حبشہ سے لائے گئے ایک غلام تھے جن کا نام رباح تھا۔
- بُت پرستوں کے شہر مکہ میں بلالؓ پر اس لیے جور و ستم ڈھائے جاتے تھے کہ وہ ایک

Marfat.com

خدا پر ایمان رکھتے تھے۔

- انہیں نبی اکرمؐ کے ایک مخلص ترین دوست ابو بکر صدیقؓ نے خرید کر آزاد کرایا تھا۔
- انہیں اسلام کے اوّلین مؤذّن ہونے کا شرف حاصل ہوا۔
- انہیں مسلمانوں کے اوّلین لشکروں کو خوراک مہیّا کرنے کے فرائض سونپے گئے۔
- انہیں نبی اکرمؐ کا اعتماد اور قربت حاصل تھی یہاں تک کہ پیغمبرِ خدا نے انہیں علی الصبح اپنے جگانے کا فریضہ بھی سونپ رکھا تھا۔
- نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی تو صدمے سے بلال کی رہی سہی سکت بھی جواب دے گئی، ان کی ٹانگیں اتنی کمزور ہوگئیں کہ اذان دینے کے لیے سیڑھیاں چڑھنے سے معذور ہو گئے۔
- بلالؓ کا انتقال ملکِ شام میں ہوا۔ یہ غالباً سن 644 عیسوی تھا۔ گویا کہ وہ اپنے آقاؐ کی وفات کے بعد بارہ سال زندہ رہے۔
- جس دن سے وہ حلقہ بگوشِ اسلام ہوئے اس دن سے رسول اکرمؐ کی زندگی کا ہر واقعہ ان کی زندگی کا اہم ترین واقعہ بن گیا۔
- بلالؓ کی یادداشت کے دو ستون تھے، ایک ستون وہ محبت تھی جو ان کے حالات اور واقعات سے آگاہی رکھنے والے ہر شخص کے دل میں ان کے لیے موجزن رہی اور دوسرا ستون وہ قربت تھی جو انہیں حبیبِ خدا کے ساتھ ہمیشہ حاصل رہی۔ جو کوئی بھی اس والہانہ محبت سے باخبر ہے وہ دوسرے ستون، یعنی ان کی قربتِ رسول کے واقعات پڑھ کر محوِ حیرت ہو جاتا ہے۔
- امریکہ کے سیاہ فام مسلمان اس جوشِ محبت کی وجہ سے خود کو بلالی کہلواتے ہیں اور وہ اپنی رنگت پر اس لیے نازاں ہیں کہ اس نے انہیں ایک سچے اور مخلص ترین خادمِ رسول کے مشابہ بنا دیا ہے۔
- محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا، بلال اہل جنت میں سے ہے۔

H.A.L.C. ROME, 1977

Marfat.com

میری غلامی کے شب و روز

میں، بلال، غلاموں کا ایک بچہ تھا، غلام کے طور پر پیدا ہوا اور اس وقت تک غلام رہا جب ایک دن میرے آقا نے، جو امیہ نامی ایک تاجر تھا، مجھے قتل کرنے کا فیصلہ کرلیا۔

ایک غلام کی زندگی میں حادثے ایک آزاد شخص کی بہ نسبت کم ہوتے ہیں لیکن جب وہ گر پڑتا ہے تو اپنے اوپر کوڑے برستے پاتا ہے، اس کے پاس صرف چمڑی ہوتی ہے۔ جو ضربیں سہتی رہتی ہے......... اب میں کچھ بڑا ہوگیا ہوں۔ اور یہاں دمشق میں مجھے اپنے دروازے پر لگے ہوئے گلاب کے پھولوں کے کانٹوں سے خطرہ درپیش ہے، یہ خطرہ کسی امیہ کی جھنجلاہٹوں یا اس کی شراب کی بوتل سے پیدا ہونے والی اضطراری کیفیات سے کہیں زیادہ خطرناک ہے۔ کیونکہ غلام یقینی طور پر کچھ نہیں جانتا کہ اس سے کیا سلوک ہونے والا ہے۔ وہ صرف قیاس ہی کرسکتا ہے کہ اس پر کیا افتاد پڑنے والی ہے۔ وہ جانتا ہے کہ اس کے مالک کی آواز جیسی کوئی آواز نہیں ہوسکتی۔ آقا جب آواز دیتا ہے تو اس کی مجال نہیں کہ یہ اس آواز کو نہ سن پائے۔ اس کے لیے دو جگہوں کے سوا کوئی جگہ نہیں ہوتی، ایک جگہ تو وہ ہے جہاں آقا اسے دیکھ سکتا ہو اور دوسری جگہ وہ جہاں اس تک آقا کی طلبی کی آواز پہنچ سکتی ہو۔ ورنہ یہ سمجھا جاتا ہے کہ غلام بھاگ گیا ہے۔ آخر اس نے اس کو خریدا کاہے کو ہے۔ اس نے خریداری پر جو رقم خرچ کی ہوتی ہے اس کے عوض غلام کو اپنی ساری بعد کی زندگی اس کی نذر کرنا ہوتی ہے۔

میں مرے ہوؤں کا مذاق اڑانے کا عادی تو نہیں ہوں۔ مگر میں آپ کو بتا سکتا ہوں کہ جب مکہ کی مارکیٹ میں امیہ نے جتنی رقم میں مجھے خریدا، اس نے اس سے کہیں زیادہ کما لیا تھا۔ ہر کوئی جانتا ہے کہ اگر کوئی شخص ایک گھوڑا خریدتا ہے تو اسے یہ احتیاط کرنی پڑتی ہے کہ کہیں وہ

Marfat.com

ایسا گھوڑا نہ خرید بیٹھے جو اسے اپنی پشت پر سے گرا کر اس کی گردن توڑ دے۔ بعض اوقات ایسا ہو بھی جاتا ہے، اور ہو گیا تو سمجھئے کہ ایسا اڑیل گھوڑا خریدنے والے نے بہت بُرا سودا کیا۔
لیکن وہ صرف خدا ہی ہے جو یہ فیصلہ صادر کرتا ہے کہ آخری قہقہہ کون لگائے گا۔

میں اصل موضوع سے ہٹ رہا ہوں۔ میں یقیناً اس عمر کو پہنچ چکا ہوں کہ بات شروع کرنے سے پہلے، اس سے متعلقہ کسی دوسرے موضوع پر اظہار خیال کرنے لگتا ہوں۔
میں امیہ کو اپنی یادداشت پر حاوی نہیں ہونے دینا چاہتا۔ وہ تو صرف غلاموں کو ہانکنے والا ایک شخص تھا۔ چونکہ میں مسمّی بلال امیہ کا غلام تھا، آپ کو ان دنوں کے بارے میں بتاؤں گا جن پر آپ حیران ہو جائیں گے۔ میں بائیس برس کا تھا اور وہاں موجود تھا جہاں محمدؐ، بحیثیت رسولِ خدا، اپنے مبارک قدم اٹھاتے ہوئے تشریف لا رہے تھے۔ انہوں نے جو کچھ فرمایا وہ میں نے سنا، اور جو کچھ انہوں نے کیا وہ میں نے دیکھا۔

اصل مفسد کون تھا

ایک صبح کی بات ہے کہ امیّہ حسبِ معمول چند دیگر تاجروں سمیت کعبہ کے پاس بیٹھا تھا۔ میں اور چند دیگر غلام ان سے کچھ فاصلے پر اپنے اپنے آقاؤں کے اشارے یا بلائے جانے کے منتظر بیٹھے تھے۔ ہم آپس میں سرگوشیاں بھی کر رہے تھے، دیکھئے کون پہلے بلایا جاتا ہے اور کس کو کس کام کا حکم ملنے والا ہے۔ زیادہ تر ہم اپنے اوپر پڑنے والے سائے سے محظوظ ہو رہے تھے۔ مکّے میں سایہ ایسا ہی ہے جیسے پھیپھڑوں کے لیے سانس۔ مکہ میں کوئی روئیدگی نہیں ہوتی۔ نہ درخت، نہ گھاس اور نہ پھول۔ وہ چٹانی پہاڑیاں جنہوں نے شہر کو اپنے گھیرے میں لیا ہوا ہے، دوپہر کی دھوپ کی گرمی کو اپنے اندر جذب کیے رکھتی ہیں، یہ گرمی رات تک برقرار رہتی ہے۔ اس فطری حرارت کے باعث مکہ کا شمار دنیا کی نامہربان ترین جگہوں میں ہوتا ہے۔ تاہم ان دنوں میں بھی جو لوگ مکہ کو جانتے تھے اسے اپنے دلوں میں سے نہیں نکال سکتے تھے۔ جب کہیں چلے جاتے تو واپسی کے لیے بے تاب رہتے تھے۔ کوئی نخلستان یا معتدل موسم والا کوئی

Marfat.com

ملک انہیں مطمئن نہیں کر سکتا تھا اور وہ ہمیشہ سامان سمیٹے واپسی کے لیے تیار رہتے۔ حتیٰ کہ صحرا میں اونٹ بھی مکہ کا لفظ کان میں پڑنے پر اپنے سر اٹھا لیتے اور لمبے لمبے قدم مارنے لگتے۔ حتیٰ کہ میں ایک غلام ہوتے ہوئے بھی (جسے کہ مکہ میں نیلام کیا گیا تھا اور بچھو کے لگنے، نوچے جانے کی تکلیف سہنے اور ایک دائرے میں مسلسل گھومتے رہ کر اپنی قوتِ برداشت ثابت کرنی پڑی تھی) اپنے مقامِ اذیت سے محبت کرنے لگا تھا۔

میں آپ کو بالکل سچ بتا رہا ہوں کہ چاندی کے اس کپ میں پڑے ہوئے دمشق کے رواں ٹھنڈے پانی کو گندھک کی مہک والے اس آبِ زم زم سے کوئی نسبت نہیں جو کہ کعبہ کے صحن میں ٹپک ٹپک کر باہر نکل رہا ہے اگر چہ میں اسے اپنے دونوں ہاتھوں کا پیالہ بنا کر پیا کرتا تھا۔

ایسا کیوں ہے؟ ایک ویران وادی میں واقع دھوپ سے جُھلسا ہوا شہر جس میں ایک درخت بھی نہیں، نہ کوئی پرندہ دکھائی دیتا ہے نہ کوئی تتلی ہے اور نہ فطرت نے اس پر ترس بھری نظروں سے دیکھا ہے، یہ ہمارے تصور کو کیوں مجبور کرتا ہے اور ہمارے دلوں میں اس نے کیسے جگہ بنا لی ہے؟ یہ جاننے کے لیے آپ کو کہیں دور نہیں دیکھنا پڑتا۔ صحرا میں سے کعبے کی سیاہ آب و تاب زمین میں سے گنبدِ گردوں کے موتی کی مانند اُبھرتی ہوئی دکھائی دیتی ہے۔ اس کا سایہ کھجور کے ایک ہزار درختوں کے سائے کی طرح ہے۔ یہ بنجر علاقے میں ایک بہترین سرسبز مقام ہے۔ یہ مشرکین کے زمانے میں بھی ایک مقام امن تھا کوئی شخص دوسرے کی طرف نہ تلوار اٹھا سکتا تھا نہ اپنے دشمن کی طرف انتقام کی نگاہ سے دیکھ سکتا تھا۔ کعبے کے قرب و جوار میں نہ کوئی لڑائی جھگڑا کیا جا سکتا تھا اور نہ بدامنی پھیلائی جا سکتی تھی۔

نسلِ انسانی کی اوّلین عبادت گاہ کعبۃ اللہ کو حضرت ابراہیمؑ، والدِ اسماعیل و اسحاق، نے تعمیر کیا، جو صرف خدائے واحد کی عبادت کرتے تھے۔ لیکن انسانوں نے اپنی کم فہمی اور جہالت کی وجہ سے اس عظیم اور قابلِ صد احترام گھر کو اپنے ہاتھوں سے تراشے ہوئے لکڑی اور پتھر کے بتوں کا گودام بنا کر رکھ دیا۔ ان میں سے کچھ صبح کے خدا تھے اور کچھ رات کے، کچھ صحت مند ٹانگوں کے اور کچھ لنگڑی ٹانگوں کے، کچھ خوش قسمتی کے اور کچھ بخیریت سفر کے۔ ان

Marfat.com

گونا گوں خداؤں کی تعداد 360 تھی۔انہیں مختلف فائدوں کے ضامن مانا جاتا تھا۔مگران میں اس سچے مذہب کی طرف رہنمائی کرنے والا ایک بھی نہ تھا جو آسمان سے نازل ہونے والا مذہب تھا اور جو ہمیشہ رہنا ہے۔ایک ایسا بُت بھی تھا جو تجارتی قافلوں کو کاروباری منافع دلاتا تھا،سفر پر روانگی سے پہلے سردارانِ کاروان ان کے سامنے سربسجود ہوتے تھے اور منافع کما کر بخیریت لوٹنے پر ایک بار پھر ان کو سجدہ کر کے شکریہ ادا کرتے تھے،تا کہ آئندہ بھی ان پر اس کی نظرکرم رہے۔

مکہ کے تمام قبائل ہر سال کسی مقررہ مہینے میں کعبے میں آکر اپنے اپنے خداؤں (بتوں) کی زیارت کرتے تھے۔اس موقع پر کعبے کے اردگرد ایک منڈی بھی لگ جاتی تھی جس میں شام یمن اور فارس سے آنے والے تاجر اپنا اپنا سامان تجارت لاکر شریک ہوتے۔یہ قافلے سمندری اور برّی راستوں سے آتے اور اپنے ساتھ غلاموں کی بھی بڑی تعداد لاتے۔دیگر اشیاء کے علاوہ ان غلاموں اور لونڈیوں کی خرید وفروخت بھی ہوتی۔پتھر اور لکڑی کے تراشے ہوئے بُت اور سونا چاندی بھی بکتے تھے۔

میں آپ کو یہ باتیں اس لیے سنا رہا ہوں تا کہ میں آپ کو اپنی خرید وفروخت کا واقعہ اچھی طرح سمجھا سکوں:

میں اس وقت تقریباً کعبے کے سائے میں بیٹھا ہوا تھا۔

ایک آواز آئی...... ''وہ جا رہا ہے وہ شخص جو کہتا ہے کہ وہ خدا سے باتیں کرتا ہے'' ......

یہ آواز ابوجہل کی تھی، اس کا غلام میرے پاس دوزانو بیٹھا ہوا تھا۔اس کی آواز پر قہقہے پھوٹ پڑے، جب لوگ ہنس کر چپ ہو گئے تو غلام دوبارہ ٹھیک ہو کر بیٹھ گیا۔

ایک اور شخص بولا ''اے پیغمبر تُو پانی پر چل کر کیوں نہیں دکھاتا؟''

یہ میرے آقا، امیہ کا سوال تھا، جواب دوزخ میں جل رہا ہوگا۔

پھر میں نے محمدؐ بن عبداللہ کو دیکھا جو معمول کے مطابق اکیلے گزر رہے تھے،ان کا چہرہ پہاڑوں کی جانب تھا، یہ وہی پہاڑ تھے جن کے بارے میں سرگوشیاں کی جاتی تھیں کہ وہاں ایک فرشتے نے ان سے گفتگو کی تھی، محمدؐ کعبہ کی دوسری جانب غائب ہو گئے،ان کے جانے کے بعد ہمارے آقاؤں کی ہنسی ٹھٹھول طوفان اُٹھا۔

Marfat.com

لیکن ابوسفیان نہیں مسکرا رہا تھا، سارے مکہ میں میرے آقا کی جو شخص نگرانی کیا کرتا تھا، یہی ابوسفیان تھا۔ اس کی کہانی اور ہماری کہانی، آپس میں اس طرح جڑی ہوئی تھیں جیسے ایک شکاری ہو اور دوسرا شکار۔ ایک کتا ہو اور دوسرا ہرن، شاید ان میں سے ہر ایک کو دوسرے کی ضرورت تھی۔ شاید ہم جو کچھ ہیں، اس نے ہمیں وہ بننے میں مدد دی تھی۔ وہ اچانک اٹھ کھڑا ہوا سب چپ ہو گئے، اس نے اعلان کیا ''جس شخص کا صرف ایک خدا ہو اس کا کوئی خدا نہیں ہوتا''

اس نے اپنے معمول کے مطابق اپنی انگلی ایک نبض پر رکھی ہوئی تھی۔ چونکہ مشرکین اور بُت پرست اپنے توہمات کو بہت سے خداؤں کے مابین تقسیم کرتے تھے اس لیے وہ ایک خدا (وحدانیت) پر بھروسہ نہیں کر سکتے تھے۔ ابوسفیان بہت پریشان تھا اس کی تشویش صاف واضح ہو رہی تھی جس کا اظہار اس نے اس طرح کیا: ''خدا ہم سے ناراض ہو گئے تو وہ اپنے انعامات کسی اور شہر پر نچھاور کر دیں گے۔ اگر ہم نے اپنے خداؤں کی بے حرمتی کو جو محمدؐ کر رہے ہیں، نہ روکا تو ہمارا انجام بہت خطرناک ہوگا'' پھر اس نے ابولہب کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ''تم اس کے چچا لگتے ہو، یہ تمہارے اپنے خاندان کی ذمہ داری ہے کہ تم اسے اس حرکت سے باز رکھو۔''

ابولہب پریشان تھا اور وہ اس امید پر ذرا فاصلے پر بیٹھا ہوا تھا کہ اسے بحث میں نہیں گھسیٹا جائے گا۔ سب کی آنکھیں اپنی طرف لگی دیکھ کر بولا: ''محمدؐ اب چالیس سال کا ہے، مجھے پتہ ہے اچھی طرح پتہ ہے کہ وہ ہمارے لیے باعث شرمندگی بن رہا ہے۔ اس نے میری، اپنے خاندانوں کی، تمہاری اور اپنے طبقے کی ناک کٹوا دی ہے۔ کل سے اس نے اپنے ایک غلام کو اپنا بیٹا بنا لیا ہے، وہ اس سے اگر کوئی سوال کرتا ہے تو یہ اپنا سب کچھ اس کی جھولی میں ڈال دیتا ہے، ہر ایرے غیرے کو، مقروض کو چیزیں اٹھا اٹھا کر دے دیتا ہے۔ یہ دیوانگی ہے دسیوں لوگ اس کے دروازے پر ہجوم کیے رہتے ہیں، جس سوالی کو ایک بھیڑ یا بکری نہ مل جائے وہ خود کو بدقسمت سمجھتا ہے، جب وہ خود کو لٹوانے پر تل گیا ہے تو ہم کیا کر سکتے ہیں میرا بھتیجا دیوانہ ہے دیوانہ۔''

Marfat.com

پھر ابولہب نے ایک سمت سے دوسری سمت رُخ کیا اور اس طرف کے لوگوں سے مخاطب ہوا گویا کہ یہ مسئلے کو سلجھانے میں اس کی مدد کر سکتے تھے۔ وہ ایک تو اس مسئلے کی وضاحت چاہتا تھا کہ کیا کوئی شخص اپنے ہی ملک میں پیغمبر بن سکتا ہے۔ اس نے پریشانی کے عالم میں ابوسفیان کا بازو تھام لیا اور بولا:

''ابوسفیان مجھے یہ بتا۔ ایک شخص جو عین جوانی کے زمانے میں ہے، مضبوط جسم رکھتا ہے، خوبصورت بھی ہے۔ اس کے سر کا ایک بال بھی سفید نہیں ہے۔ اس نے ایک معمر عورت سے شادی کر لی ہے۔ وہ مکہ میں ایک بڑی چیز بن چکا ہے.......... پتہ ہے وہ کرتا کیا ہے؟ وہ پہاڑ پر جا کر ایک ٹھنڈی غار میں بیٹھا کانپتا رہتا ہے.......... کیا وہ دیوانہ نہیں ہے۔ گھر میں اس کے پاس گرم بستر موجود ہے.......... وہ وہاں اس لیے جاتا ہے کہ اس کے خیال میں فرشتہ اس سے باتیں کرتا ہے.......... وہ محسوس کرتا ہے کہ اس کے کانوں میں فرشتے کی آواز گونج رہی ہے۔''

پھر ابولہب تھک کر بیٹھ گیا۔ اب اس کے دوست کچھ گھبرانے لگے تھے۔ ہر شخص محسوس کرنے لگا کہ اس خاندان میں واقعی دیوانگی کا ایک کیس موجود ہے، کیونکہ اس کا کچھ بھی نہیں کیا جا سکتا۔ کوئی مشورہ اور کوئی نصیحت کارگر نہیں ہو رہی۔ ہاں اگر وہ یہ باتیں کرنے کی کوشش کرے تو شاید اس میں سمجھ بوجھ واپس آ جائے۔ ابولہب ایک بار پھر بولا:

''ابھی سال بھر پہلے کی بات ہے، تم سب جانتے ہو، کہ یہ کتنا عزت دار آدمی کہلاتا تھا، اس پر کوئی بھی ہنسنے کی جرأت نہیں کر سکتا تھا، وہ تمہارے آپس کے جھگڑے طے کراتا تھا، تم میں سے کوئی ضرورت مند ہوتا تو اپنی حاجتیں لے کر اس کے پاس پہنچتا تھا، تمہیں ایک عقل مند آدمی کی ضرورت تھی وہ تمہارے لئے ایک سراپا دانش تھا، پھر پتہ نہیں اسے کیا ہو گیا ہے..........''

آگے کہتے کہتے وہ رک گیا، اس نے اپنے غلام کی طرف اشارہ کیا کہ وہ قریب آئے اس نے اسے جو کہنا تھا وہ کہہ دیا۔ ابوسفیان نے کچھ سوچا اور بولا ''یہ خداؤں کے بارے میں جو کچھ کہتا ہے، وہ الگ بات ہے، میں کبھی غور کرتا ہوں تو مجھے اس سے متفق ہونا پڑتا ہے۔ لیکن یہ خدا اپنے معاملوں کو خود سلجھا لیں گے۔ مگر یہ انسانوں سے جو باتیں کرتا ہے وہ دوسری ہیں، یہ

Marfat.com

خطرناک ہوسکتی ہے۔ مگر ہم جلدی اس کا کچھ نہ کچھ کرلیں گے۔ ہم ان غلاموں اور ایسے لاچار مردوں کو اس کے مقابل لا کھڑے کریں گے جو اس کی باتیں غور سے سنتے ہیں۔‘‘

میں دوسرے غلاموں کی طرح دیوار کے ساتھ لگا کھڑا تھا، جب وہ عمار کو لے کر آئے۔ آقاؤں نے اسے پکڑ کر گھٹنوں کے بل کر دیا مگر وہ سر اٹھا کر ان کی طرف دیکھنے لگا۔ مجھے معلوم تھا کہ اس کا انجام اچھا نہیں ہوگا۔ اگر وہ کوئی غلام ہوتا تو اسے یقیناً پتہ ہوتا کہ جھکے ہوئے سر میں کتنی سلامتی ہوتی ہے مگر وہ خود کو غلام نہیں بلکہ ’’اجانب‘‘ میں سے سمجھتا تھا (اجانب ایسے لوگ ہوتے تھے جن کا درجہ غلام جیسا پست نہیں ہوتا تھا لیکن انہیں کسی بڑے قبیلے کا تحفظ بھی حاصل نہیں ہوتا تھا)، اس وقت وہ ایک آزاد شخص کے طور پر اپنے حقوق پر اصرار کر رہا تھا اگرچہ وہ ایک عام کے برابر نہیں تھا۔ اس سے پوچھا گیا:

’’محمدؐ تمہیں کیا سکھاتا ہے؟‘‘

اس نے جواب دیا ’’وہ ہمیں یہ سکھاتا ہے کہ خدا کی نظر میں سب لوگ اس طرح برابر ہیں جس طرح ایک کنگھی کے دندانے برابر ہوتے ہیں‘‘۔

جونہی یہ الفاظ میں نے سُنے میں سردی سے کانپنے لگا۔ یہی کیفیت دیوار کے ساتھ لگے دوسرے غلاموں پر طاری تھی۔ امیّہ کا چہرہ لال بھبوکا دکھائی دے رہا تھا۔ لیکن ایک غلام کی نبض اپنے مالک کی نبض جیسی نہیں ہوتی۔

میں یہ سوچ سوچ اکثر حیران ہوا کرتا ہوں کہ اس روز عمار (بن یاسر) ایسی دلیری کیوں دکھا رہا تھا۔ وہ یہ بھی کہہ سکتا تھا ’’محمدؐ ہمیں نماز سکھاتے ہیں...... ہمیں سچ بولنے کا سبق دیتے ہیں...... اپنے پڑوسی کے لئے وہی چیز پسند کرنے کی تلقین کرتے ہیں جو ہم اپنے لئے پسند کرتے ہیں.......... اس پر شاید وہ عمار کو چھوڑ دیتے۔ مگر یاسر، خدا اس پر رحم کرے، ساری کتاب ہی ان کے سامنے پیش کرنے کا تہیّہ کئے ہوئے تھا، اس نے مزید کہا ’’محمدؐ ہمیں صرف ایک خدا کی عبادت کرنا سکھاتے ہیں‘‘

مجھے یاد ہے کہ ابوسفیان عادتاً ایک لمبا سا ریشمی کپڑا اپنی گردن کے گرد لپیٹے رکھتا تھا

Marfat.com

جیسے کہ وہ زندہ چیز ہو۔ جونہی عمار نے ''ایک خدا'' کہا اس کی جھنجلاہٹ کی وجہ سے یہ کپڑا کھل گیا اور کتے کی دم کی طرح اچھل کر اس کی کمر پر جا پڑا۔

ابوسفیان کو میں بدترین شخص نہیں کہتا، ''بدترین'' کے الفاظ میں نے صرف طائف والوں کے لئے مخصوص کر رکھے ہیں۔ علاوہ ازیں ابوسفیان کے غلام بھی اسے بُرا آقا نہیں کہتے تھے۔ وہ اپنی ناپسندیدگی کا اظہار اپنے چہرے بالخصوص ابروؤں سے کرتا، پھر بھی غصہ پوری طرح ظاہر نہ ہو سکے تب زبان کھولتا۔ مگر اس کی دھیمی آواز نے مجھے ڈرا دیا۔ اس روز اس نے عمار سے برابری کی سطح پر گفتگو کر کے اس کو خوفزدہ کر دیا۔ اور بولا:

''ایک خدا''؟

اس نے بہت منطقی انداز میں تجسّس بھری آواز میں کہا ''لیکن ہمارے تو تین سو ساٹھ خدا ہیں جو ہم پر نظر رکھتے ہیں اور ہمیں روزی پہنچاتے ہیں۔''

پھر کچھ سوچنے کے بعد بولا:

''کیا محمدؐ کو یہ احساس نہیں ہوتا کہ ہماری زندگی خداؤں کو اپنے ہاں جگہ مہیا کرنے کی بدولت برقرار ہے۔ ہر خاندان اپنے خدا کی پرستش کرتا ہے۔ ہر سال سرزمین عرب کے قبیلے مکہ آتے ہیں تاکہ یہاں کے خداؤں کی عبادت کریں اور انہیں خرید کر بھی لے جائیں، اس لیے وہ ہماری عبادت بھی ہیں اور ذریعۂ آمدنی بھی۔ اور کیا ہم کمزوروں اور مفلسوں کی خبر گیری نہیں کرتے؟ کیا تمہیں اپنا حصہ نہیں ملتا؟ اب..........'' وہ کچھ رکا جیسے کہ خطیب کچھ توقف کرتے ہیں اور اس دوران اپنی یادوں کو مجتمع کر لیتے ہیں۔ وہ پھر رواں ہو گیا'' کیا ہم تین سو خداؤں کی جگہ صرف ایک خدا کو رکھ لیں جسے کہ ہم دیکھ بھی نہیں سکتے۔ مگر پھر بھی وہ ہر کہیں ہے اس باغ میں.......... طائف میں، مدینہ میں، یروشلم میں.......... چاند پر.......... پھر مکہ کہاں جائے گا؟ جب آنے والوں کو ''خدا'' وہاں اپنے گھر میں ہی مل جائے گا تو یہاں کون آئے گا؟

یہ تقریر سننے والا ہر کوئی مطمئن دکھائی دے رہا تھا۔ اس تاجر شہزادے نے اپنی دانست میں ''خدائے واحد'' کو نیچا دکھا دیا اور ایک لمبی بحث کو ایک مختصر جملے میں سمو دیا۔ یہ معاملہ یہیں ختم ہو سکتا تھا، بشرطیکہ میرا آقا مجھے اس گفتگو میں نہ گھسیٹ لیتا۔ امیہ اب تک خاموش بیٹھا تھا۔

Marfat.com

مگر اگلے ہی لمحے میری پشت دیوار سے ہٹ گئی کیونکہ میں اپنے آقا کے منہ سے اپنا نام سنتے ہی دوڑ کر اس کے سامنے جا کھڑا ہوا تھا۔

امیہ اس وقت ریشمی لباس پہنے ہوا تھا۔ وہ تیزی سے عمار کے پاس پہنچا اور اس نے سوال کیا ''تم کہتے ہو کہ ایک غلام اپنے آقا کے برابر ہوتا ہے..........؟ کیا یہ سیاہ فام بلال جس کو خریدنے کے لیے میں نے پیسے ادا کیے ہیں میرے برابر ہے''؟

اس نے اپنے بے تکے سوال کا مزہ لینے کے لیے کچھ توقف کیا۔ درحقیقت مجھ غلام کا اس مسئلے سے کوئی تعلق ہی نہیں تھا۔ تعلق کیسے ہو سکتا تھا، مجھے خواہ مخواہ درمیان میں گھسیٹ لیا گیا تھا۔ میں ایک غلام زادہ تھا، مجھے اس سے کوئی غرض نہیں تھی کہ کون کس کے برابر ہے۔ یہ کہتے ہوئے وہ اپنی بند مٹھی گنواروں کی طرح عمار کی ناک کے قریب لے گیا جیسا کہ اس نے سوال کو اس کے اندر بند کیا ہوا ہو، اس حرکت کو دیکھ کر میں بمشکل اپنی ہنسی کو روک سکا۔ اس کا جواب دینے کی ضرورت نہیں تھی مگر عمار مجھے اس وقت ضرور احمق سا لگا کہ اس نے ایسے سوال کو سب تک پہنچا دیا جسے خود امیہ بھی ختم کر چکا تھا، اس نے جرأت کا مظاہرہ کرتے ہوئے اتنا ہی طویل جواب دیا جتنا کہ سوال لمبا تھا، اس نے کہا:

''محمدؐ ہمیں سکھاتے ہیں کہ اللہ کے سامنے تمام انسان، تمام نسلیں، تمام رنگ اور سماجی رتبے برابر ہیں''

مجمعے پر سناٹا چھا گیا، میرے کان میں ایک بار پھر اپنے نام کی آواز پڑی۔

''بلال''

مجھے اس وقت کیسے معلوم ہو سکتا تھا کہ مجھے کیوں بلایا گیا ہے؟ بعد میں معلوم ہوا کہ مجھے ایک زندگی سے دوسری زندگی میں بلا لیا گیا تھا؟ مگر یہ صرف اور صرف خدا ہی ہے جو جانتا ہے کہ کون بہتر زندگی کی طرف جانے والا تھا۔ بہرحال میں، حکم کے مطابق آگے بڑھا۔

اب اس نے بولنا شروع کیا۔ ''بلال، اس شخص کو مکہ کے ایک سردار اور اپنے درمیان فرق بتاؤ۔ اس کے چہرے پر ایک کوڑا لگاؤ تاکہ اس کا منہ ایک نیا سبق سیکھ سکے۔'' میں آج تک اس جملے کا صحیح مطلب نہیں سمجھ سکا ظلم کی کونسی کیفیت تھی جو وہ اس چہرے پر ڈھانا چاہتا تھا۔

یہ کہہ کر انہوں نے کوڑا میرے ہاتھ میں پکڑا دیا، عمار نے سر اٹھا کر اوپر میری طرف

Marfat.com

دیکھا اور اپنا چہرہ اس سزا کے لیے پیش کر دیا۔

میں آپ کو کیسے بتا سکتا ہوں کہ اس سے آگے کیا ہوا؟ میں اب بھی اس منظر کو اپنی آنکھوں کے سامنے نہیں لا سکتا۔ اگر یاد کروں تو میرے کانوں میں سنسناہٹ ہونے لگتی ہے اور حواس جواب دے جاتے ہیں۔

مجھے کچھ کچھ یاد آتا ہے کہ امیہ کی آنکھیں غصے سے باہر نکلی ہوئی تھیں اور ابوسفیان کے چہرے کا صرف ایک رُخ دکھائی دے رہا تھا، یہی شخص تھا جس نے ایسی سزاؤں کی منظوری دے رکھی تھی لیکن وہ ان کے نفاذ کا منظر نہیں دیکھتا تھا کہ کہیں اس سے اس کے وقار میں کمی نہ آ جائے۔

لیکن عمار مجھے صاف دکھائی دے رہا تھا۔ وہ حیرت بھری نظروں سے دیکھ رہا تھا مگر وہ بے خوف تھا، حلیم الطبع مگر مضبوط اعصاب کا مالک تھا۔ میں نے اس کی آنکھوں میں ایک ایسی قوت دیکھی جو میری غلامی کی قوت سے زیادہ قوی تھی اسی لمحے، میں نے یعنی بلال نے اپنا مالک تبدیل کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا اور کسی اور کی غلامی میں جانے کا تہیہ کر لیا تھا۔ چنانچہ میں نے کوڑا ہاتھ سے چھوڑ دیا۔

مجھے اپنے گرد اگرد جمع لوگوں کی ہانپ کر سانس لینے کی آواز سنائی دی، ان کے منہ حیرت سے کھل گئے۔ انہیں معلوم تھا کہ انہوں نے کیا دیکھا ہے اور مجھے معلوم تھا کہ میں نے کیا حرکت کی ہے۔ یہ ایک کھلی بغاوت تھی۔

ایک غلام نے بغاوت کر دی تھی!! جو کہ ایک سنگین ترین جرم تھا۔

عمار کوڑا اٹھانے کے لیے فرش پر جھپٹا اور اسے دوبارہ میرے ہاتھ میں پکڑوانے کی کوشش کرنے لگا اور وہ ایسی سرگوشی میں یہ پکڑنے کے لیے کہہ رہا تھا جو مجھے ایک چیخ کی طرح سنائی دے رہی تھی۔ وہ بولا ''بلال بلال......... اسے پکڑ لو، وہ کرو جیسے اس نے تجھے کہا ہے.......... دیکھو بلال، ایسا نہ کیا تو قتل کر دیئے جاؤ گے۔''

لیکن اس بار جب میں نے کوڑا نیچے پھینکا تو میرے لیے ہر چیز پُرسکون ہو گئی۔ میں نے ابوسفیان کو امیہ کو اشارہ کرتے ہوئے دیکھا۔ میں نے ہند (ہندہ) کی ہلکی سی کھانسی سُنی تو اس کی طرف مڑا، میں ہند کو ساری زندگی دیکھتا رہا تھا مگر اس پر براہ راست نظر ڈالنے کی کبھی

Marfat.com

جرأت نہیں کی تھی۔ چنانچہ میں اسے صرف جھلک کے طور پر دیکھا کرتا تھا۔ اس لمحے سے پہلے مجھے کبھی احساس نہیں ہوا کہ میں اسے ساری کی ساری دیکھ چکا ہوں۔ یہ صرف مختلف قسم کی جھلکیوں کی صورت میں تھی۔

امیہ پُرسکون تھا اور خاموش بھی۔ بڑے آرام سے بولا ''اگر تم اس قدر انسان ہو جیسے کہ نظر آتے ہو تو تمہارے خدا بھی ہوں گے بلال۔ تمہارے وہی خدا ہوں گے جو تمہارے آقا کے، یعنی میرے ہیں۔ تم میرے غلام باڑے میں کسی اَن دیکھے خدا کو نہیں لاؤ گے۔'' پھر اس نے باہر کی طرف ڈھلتے ہوئے دن کو دیکھا اور کہا ''میں تمہیں ٹھیک کر دوں گا...... لیکن تمہیں انتظار کرنا ہو گا اس وقت جب تک دھوپ اپنی پوری تپش کے ساتھ چمکنے لگے گی، آج کا دن تو ڈھل چکا ہے۔''

مجھے اپنی ہتھیلیوں پر رسیاں باندھی جانا محسوس ہونے لگیں۔ پتہ نہیں کون باندھ رہا تھا۔ پھر میری گردن کے گرد بھی ایک رسّا پڑ گیا، وہ جیسا چاہتے تھے ویسا کر رہے تھے۔ میں اس سے زیادہ اطاعت گزار کبھی نہ ہوا تھا۔ پھر وہ مجھے کھینچتے ہوئے باڑے میں لے گئے جہاں پہنچتے ہی مجھے دھکا دے کر گرا دیا گیا اور اگلے دن کا انتظار کرنے کا حکم دے دیا گیا۔

مجھے اکیلا چھوڑ دیا گیا تاکہ ساری رات تڑپتا رہوں۔ میرا آقا، جیسا کہ میں نے پہلے بتایا، سزائیں خوب ناپ تول کر دیا کرتا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ غلام کو صبح کے وقت کوڑا مارا جائے تو وہ اس کے ساری رات جلتے رہنے کے لیے کافی ایندھن ہوتا ہے۔ یہ اس کا اپنا نسخہ تھا۔ مگر مجھے کوڑے سے کچھ زیادہ کی توقع کرنا تھی، میرے لیے دھوپ تجویز کی گئی تھی۔ امیّہ نے مجھے چلچلاتی دھوپ کے سپرد کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا مکہ میں دُھوپ ایک آلۂ تعزیر تھی۔

موت کی آمد کی توقع ایک انسان میں کئی شمعیں روشن کر سکتی ہے۔ اور خدا نے اپنی نظرِ عنایت کے تحت اس رات مجھے ایک خاص روشنی عطا کی جس سے میں نے اپنے والد اور والدہ کو دیکھا جو چمڑہ رنگنے کے تالاب کی بھاپ میں اور بعد میں اسے دھوپ میں سکھانے والے احاطے میں کام کرتے تھے۔ میرا باپ زبردست جسمانی قوت کا مالک تھا مگر اس سے اتنا کام لیا

Marfat.com

گیا کہ چند سالوں میں اس پر ضعیفی طاری ہوگئی سارا جسم جھریوں سے بھر گیا اور ہڈیاں نمایاں ہو گئیں۔ میری ماں کھانسی اور دمے کی مریضہ بن گئی اور ایک دن اس پر کھانسی کا ایسا دورہ پڑا کہ جان ہی نکل گئی۔ تاہم اس رات میں نے ان کے نحیف و نزار جسم اور مغموم چہرے ایک بار پھر دیکھے، وہ مجھے رحم بھری نظروں سے دیکھ رہے تھے۔

وہ بحیرۂ احمر کے پار ایتھوپیا (حبشہ) کے باشندے تھے، مجھے نہیں معلوم کہ وہ کیسے غلام بنا لیے گئے تھے اور نہ کبھی انہوں نے خود مجھے بتانے کی ضرورت سمجھی۔ انہوں نے مشقتوں اور آلام کو فراموش کر کر کے انہیں برداشت کیا۔ ایک دفعہ ماں نے مجھے صرف اتنا بتایا کہ اگرچہ میں نے غلامی میں جنم لیا لیکن جب اسے حمل ٹھہرا تھا اس وقت وہ آزاد تھی۔ چنانچہ مجھے ہمیشہ سے معلوم تھا کہ میں اپنی زندگی کے مخفی ترین حصے یعنی مرحلۂ تشکّل یا استقرارِ حمل کے دنوں، غلام نہیں تھا۔ تاہم تمام انسان اپنی زندگی اور مقام کسی پیشگی علم کے بغیر پاتے ہیں۔ کوئی آدمی اپنے دروازے کا انتخاب نہیں کر سکتا اور کوئی نہیں کہہ سکتا کہ "میں کہاں داخل ہو رہا ہوں۔" یہ اس کے مقدر کی بات ہے۔

پھر مجھے وہ رات یاد آئی جب میرے ماں باپ آپس میں سرگوشی کر رہے تھے کہ کیا وہ مجھے ہلاک کر دیں اور مجھے اس غلامی سے بچا لیں جو میری پیدائش نے مجھے عطا کر دی تھی۔ پھر میں نے ان آنسوؤں کو محسوس کیا جو میرے چہرے پر ٹپکے ہوئے تھے۔ یہ آنسو میں نے اپنے لیے نہیں بہائے تھے بلکہ ان کی محبت کی درد پر بہائے تھے۔ جیسا کہ حضرت اسحاق نے اپنے آپ کو اپنے والد ابراہیمؑ کی مرضی کے مطابق خود کو قربان ہونے کے لیے پیش کر دیا تھا، لیکن بالآخر انہیں ذبح نہیں کیا گیا تھا کیونکہ خدا نے ابراہیمؑ کو اس سے روک دیا تھا۔ میں نے بھی خود کو پیش کر دیا تھا مگر "اسحاقؑ ہی کی طرح خدا نے مجھے ذبح ہونے سے بچا لیا تھا۔" (مسلمانوں کی اکثریت کے نزدیک یہ واقعہ حضرت اسماعیلؑ کے ساتھ پیش آیا تھا۔ مترجم)

مجھے وہ دن بھی یاد آ گیا جب میں قابلِ فروخت ہونے کی عمر کو پہنچ گیا اور اپنے آپ کو سنبھالنے کے علاوہ غلام کے طور پر خدمت کرنے کے بھی قابل ہو گیا۔ جب بکنے لگا تو کئی بار بکا۔ مجھے اونٹوں اور بھیڑ بکریوں کے ہمراہ بیچا جاتا تھا۔ میں مالِ وراثت کی طرح مختلف مالکوں کے ہاں منتقل ہوتا رہا۔ واہ ری قسمت۔ میں ان واقعاتِ ستم اور ناقدریٔ انسانیت پر روؤں یا

۱۱۷۷۰۹

Marfat.com

ہنسوں۔ مجھے کبھی کوڑے پڑتے تھے اور کبھی ٹھڈے۔ لیکن اس رات امیہ کے غلام باڑے والی رات، میں گردن سے لے کر گھٹنوں تک رسیوں میں بندھا ہوا تھا، میرے اندر ہنسنے کی ہمت کہاں باقی تھی؟

بار بار درد کی ٹیسیں اٹھنے کے باوجود، میں نے پھر سے دنیا کی خوبصورتی کے بارے میں سوچنا شروع کر دیا۔ خوبصورتی میرے پاس سے گزر رہی تھی، مگر یہ کیسی خوبصورتی تھی؟ دُور سے ایک کتے کے بھونکنے کی آواز آ رہی تھی۔ فرش پر چاندنی چھٹکی ہوئی تھی۔ صحن کے پار گہری نیند سویا ایک شخص خراٹے لے رہا تھا۔ مجھے ٹھیک سے یاد نہیں آ رہا کہ اس واقعے کو اب کتنے برس گزر چکے ہیں، مجھے کیسے یاد رہ سکتا ہے کہ وہ تیس برس کیسے گزرے؟ ایک محدود ذہن میں اتنی سمائی کہاں کہ وہ ہر گزرے واقعہ کی روئداد کو اپنی گرفت میں لے سکتا۔ البتہ اتنا ضرور یاد ہے کہ میں نے اس سیاہ رات میں چندھیا دینے والی دن کی روشنی میں نظر آنے والے ایک سرخ بھنورے کو ایک ڈنٹھل پر بیٹھے دیکھا۔ آج بھی جب میں بھنورے کو دیکھتا ہوں تو میرا پورا دن خوشی خوشی گزر جاتا ہے۔ ہر طرف بھنورے ہی بھنورے دکھائی دیتے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ جب لوگوں کی موت قریب آتی ہے تو ان کے ذہن ماؤف ہو جاتے ہیں۔

پھر وہ پہلی شام کے واقعات تھے میں عمار کے واقعے میں کیسے پھنس گیا تھا جن کی وجہ سے میں اس خطرناک صورت حال میں الجھ گیا۔ مجھے عمار سے یا اسے مجھ سے کیا غرض تھی؟ اگر میں اسے کوڑے لگا دیتا تو اس نے مجھ پر کوئی الزام نہیں لگانا تھا، اس نے تو خود میرے ہاتھ سے گرا ہوا کوڑا اٹھا کر مجھے پکڑوا دیا تھا۔ تاہم، میں یعنی بلال نے جو ایک ناچیز آدمی تھا، از خود جان لیا کہ میری غلامی کے اندر کوئی ایسی چیز نہیں جو مجھے اس حکیم کی تعمیل پر مجبور کر سکتی ہو۔

ممکن ہے کہ آپ یہ سوچ رہے ہوں کہ میں نے ایک فیصلہ کر لیا تھا۔ اگر آپ کی سوچ یہ ہے تو آپ غلطی پر ہیں کیونکہ ایک غلام کیسے فیصلہ کر سکتا تھا؟ جس شخص کا کوئی اختیار نہ ہو وہ کوئی فیصلہ نہیں کر سکتا۔ میرے ہاتھ سے کوڑا یا چھڑی، یہ جو کچھ بھی تھا کیوں گر گیا تھا؟ ایک

Marfat.com

غلام تو اپنے آپ سے بھی ڈرتا ہے، میں نہ اتنا دلیر تھا اور نہ اس حد تک بے وقوف تھا کہ بغاوت کر دیتا۔ اس کا جواب کہیں اور تھا، کہاں تھا، کیا محمدؐ کے پاس تھا؟

میں نے محمدؐ کو کئی بار دیکھا تھا، مگر ان سے کبھی بات نہیں کی تھی۔ جب بڑا میلہ (عکاظ) ختم ہوا، جب کاروان اپنے اپنے گرد و غبار اڑاتے ہوئے غائب ہو گئے۔ مکہ سکڑ گیا، گلیاں غیروں سے خالی ہو گئیں اور مانوس چہرے ہی باقی رہ گئے۔ لوگ میرے پاس سے یعنی مجھ غلام کے پاس سے ہی گزرتے مگر میرا کوئی نوٹس نہ لیتے کوئی شناسائی ظاہر نہ کرتے۔ لیکن محمدؐ مختلف تھے۔ وہ کسی شخص کے پاس سے، اس پر دوستانہ نظر ڈالے بغیر، نہیں گزرتے تھے۔ وہ خدائے واحد کی موجودگی کے گواہ بن کر آئے تھے۔

میں کئی گھنٹے رسیوں میں جکڑا ہوا کراہتا اور سوچتا رہا۔ رسیاں میرے گوشت میں دھنسی ہوئی تھیں، اور کچھ میرے بدن میں گردشِ خون کو بھی بند کر رہی تھیں جس کی وجہ سے میرے اندر ہتھوڑے چلنے کا احساس پیدا ہو رہا تھا۔ کچھ امید بھی پیدا ہو رہی تھی کہ صبح ہوتے ہی ان لوگوں کی منت سماجت کروں گا اور گڑگڑا کر کہوں گا کہ ان رسیوں کو اتنی ڈھیلی تو کر دو کہ زندگی اور موت میں انچ بھر کا فاصلہ بن جائے۔ میں نے اس کسمپرسی میں بھی امید کا دامن نہ چھوڑا تھا۔ امید کسی بھی انسان کی آخری دوست ہوتی ہے اور آخری سانس لینے تک موجود رہتی ہے۔

صبح آ رہی تھی۔ کل کی ہوا میں آج کی ہوا داخل ہو رہی تھی جسے میں لمبے لمبے سانس لے کر اپنے پھیپھڑوں میں بھر رہا تھا۔ میرا ذہن پھر خدائے واحد کی طرف لوٹنے لگا۔ میری یہ کہانی سننے والوں کو معلوم ہونا چاہیے کہ میں ان دنوں میں ان پڑھ تھا، میرے خیالات حروفِ تہجی سے ناآشنا تھے، اور جب میں کہتا ہوں کہ میں آوارہ پھرتا رہا تو اس وقت میرا مطلب یہ ہوتا ہے کہ میں ایک ایسا خانہ بدوش تھا جس کے میرے پاس کوئی کنوئیں نہیں تھے۔ مگر پیاس تھی۔ یہ پیاس ہی تھی جو مجھے مجبور کر رہی تھی کہ میں وہاں جاؤں جہاں کے بارے میں مجھے کوئی پتہ نہیں۔ میں ایک ایسا راہی تھا جسے اپنی منزل کی خبر نہیں تھی۔

Marfat.com

اے خدا تجھے انسان نہیں چنتا، یہ تو ہی ایک ذاتِ پاک ہے جو انسان کو چنتی ہے۔کوئی شخص اس وقت تک تجھ پر ایمان نہیں لا سکتا جب تو اسے ایمان لانے کی توفیق نہ دے۔

میں نے اس صبح، خدا کی دی ہوئی توفیق کی بدولت خدا کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دیا اور حلقہ بگوشِ اسلام ہو گیا۔

پھر کیا تھا، بس اچانک میرے اندر مٹھاس کی لہر اُٹھی اور میرے سارے وجود میں سرایت کر گئی۔رسیوں میں جکڑے ہونے کے باوجود مطمئن ہو گیا۔میری روح نے مجھے نغمۂ توحید کی لذت سے آشنا کر دیا۔مجھے علم ہو گیا کہ میری نجات خدائے واحد ولاشریک کی قربت حاصل کرنے میں مضمر ہے۔یہ علم اور اس علم کی سچائی میرے قلب کی گہرائیوں میں اتر گئی، انسان کے اندر جتنی گہرائیاں موجود ہیں، یہ سچائی ان سب میں سرایت کر گئی۔میں طمانیت کی دولت سے مالا مال ہو گیا، اور میں نے خدا کی حمد کہنا شروع کر دی۔اور اس کے رحم کا طلبگار بن گیا۔جس سے میرے اندر سے خوف بالکل زائل ہو گیا۔پھر خدا کے دستِ قدرت سے سورج طلوع ہوا۔

امیہ کے بھیجے ہوئے آدمی مجھے لینے آئے، میں نے ان کا شکریہ ادا کیا۔انہیں کیا خبر تھی کہ میرے اندر کی دنیا میں کیا تلاطم برپا ہو چکا ہے؟ وہ سمجھتے تھے کہ میرے لیے صحیح راستہ یہی ہے کہ میں ان کے اندر ترس اور ترحم کے جذبات ابھاروں، مگر جب میں نے ایسا نہ کیا تو وہ یہ سمجھے کہ میں شاید پاگل ہو چکا ہوں۔وہ کیسے جان سکتے تھے کہ میں نے اس ذاتِ کبریا سے لو لگائی ہے جس نے مجھے پیدا کیا تھا اور یہ کہ انہوں نے میرے ساتھ جو کیا یا نہ کیا، وہ خدا کی مرضی سے کیا یا نہ کیا گیا تھا آخر کار ان کے ہاتھوں نے مجھے اٹھا لیا۔

انہیں کیسے پتہ چل سکتا تھا کہ خدا مجھے پہلے ہی اٹھا چکا ہے اور اس نے میرے دل سے ان کے ہاتھوں کا خوف دور کر دیا ہے؟

Marfat.com

موت اور زندگی

لوگوں نے مجھے اٹھایا اور تیز تیز گلیوں میں سے گزرنے لگے، بعض گھروں والے جو غلاموں کے ساتھ ایسا سلوک ہوتے پسند نہیں کرتے تھے وہ اپنی کھڑکیاں بند کر دیتے تھے۔ کیونکہ سب لوگ وحشی مزاج نہیں ہوتے، اور جو ایسے مناظر دیکھنا پسند کرتے ہیں ان کی تعداد بہت کم ہوتی ہے۔ بات پہلے ہی پھیل چکی تھی اور اس کا انجام بھی سب کو معلوم تھا۔ وہ جانتے تھے کہ یہ سب ''اصلاح'' کے لیے کیا جا رہا ہے، اس ''اصلاحی عمل'' پر سب لوگ متفق تھے مگر تشدد ہوتا نہیں دیکھنا چاہتے تھے۔ میں نے ایک واضح حکم عدولی کی تھی اور اپنے آقا کی اس طبقے کے سامنے تذلیل کر دی تھی۔ ایسی آزادی قابلِ برداشت نہیں تھی، لیکن پھر بھی مجھے ان کے گھروں کے پاس سے تیزی سے گزارا جا رہا تھا۔

امیہ کے لیے میرا معاملہ بہت سیدھا سادہ مسئلہ تھا، وہ اپنے ''اصولوں'' پر سختی سے عمل کرنے کا قائل تھا، اس کے نزدیک میں ایک چور تھا، اور میں نے بطور غلام اپنا اعتبار اور قدر و قیمت تباہ کر دی تھی، لہٰذا میں نے اس سے وہ قیمت ''چوری'' کر لی تھی جس کے عوض اس نے مجھے خریدا تھا۔ اس کے لیے اب میری کھال کام کی چیز تھی جسے وہ ادھیڑ سکتا تھا اور اس کے بعد اس کی نمائش کرنا چاہتا تھا تاکہ سب غلام اس سے عبرت پکڑ سکیں۔ اس واقعہ کے پچاس سال بعد آج مجھے یہ سوچ کر امیہ پر ترس آتا ہے کہ جو شخص دوسروں کے ساتھ ناانصافی کرتا ہے وہ دراصل اپنے ساتھ ناانصافی کرتا ہے۔

مجھے میدان میں پہنچا کر زمین میں گڑی ہوئی ایک دوشاخہ لکڑی کے ساتھ ایک مویشی

Marfat.com

کی طرح جکڑ دیا گیا، اور امیہ نے دونوں ہاتھوں میں کوڑا سنبھال کر مجھ پر برسانا شروع کر دیا۔

مجھے اس سے جو اذیت پہنچ رہی تھی میں اس کو اب بیان نہیں کرسکتا، کیونکہ اذیت کی کوئی یادداشت نہیں ہوتی۔ یہ اسی وقت تک برقرار رہتی ہے جب تک یہ پہنچائی جاتی رہے۔ علاوہ ازیں اس دن کے بارے میں بہت کچھ کہا جا چکا ہے، میں نے خود کو کافی حد تک ایک شہید کی مانند پایا تھا۔ خدا دھوپ سے زیادہ طاقتور ہے، کوڑا بدن کو تو مجروح کرسکتا ہے مگر انسان کی روح کو چھو بھی نہیں سکتا۔

مجھے یاد ہے کہ میں نے اپنے رب کو کس طرح بلند آواز سے پکارا تھا میں نے اسے اسی واحد نام سے پکارا تھا جو مجھے معلوم تھا، میں ''احد احد'' کہہ رہا تھا۔ میں، یعنی اس بلال، نے جس نے لاکھوں لوگوں کو اذان کے ذریعے نماز کے لیے بلایا، اس وقت مجھے کوئی دعا نہیں آتی تھی۔ تاہم جب میں نے ''اس'' کا نام لیا تو اس نے اپنا نام میرے دل کے اندر ڈال دیا۔ میں نے خود پر کوڑے برسنے پر کوئی چیخ نہیں ماری، میں نے ان لوگوں سے رحم نہیں مانگا صرف اسی ذاتِ بے ہمتا سے ہی رحم مانگتا تھا۔

ہر اذیت رسانی کے دورانیئے میں کچھ وقفے ہوتے ہیں۔ جو سزا کی حدود کے مظہر ہوتے ہیں اگر میں اس سزا کے دوران مر جاتا تو امیہ کے نزدیک میں دوہرا چور ہوتا۔ ان وقفوں میں ایک ایسا وقفہ بھی آیا جس میں ابوسفیان کی بیوی ہند (ہندہ) مجھے دیکھنے کے لیے میرے اُوپر جھکی۔ اس نے اس وقت خوشبو لگا رکھی تھی اور ہاتھ میں ایک چھتری لی ہوئی تھی۔

وہ میرے منہ سے نکلنے والی آواز ''احد احد'' سننا چاہتی تھی۔ یہ سننے کے بعد وہ پیچھے ہٹی اور ہنس دی۔ اس کی ہنسی بہت مترنم تھی۔ اس نے کہا ''یہ غلام کا بچہ تو تبلیغ کر رہا ہے۔'' اس پر کوڑوں کی نئی بوچھاڑ شروع ہوگئی۔

آج یہ باتیں سناتے ہوئے میں حیرانی سے سوچتا ہوں اگر میں سزا پاتے پاتے موت کی وادی میں چلا جاتا تو میں اس کیفیتِ اذیت کو آج کیسے سنا سکتا تھا؟ مرنے والے تو اپنی تکلیف کے احساس سمیت رخصت ہو جاتے ہیں۔ میں آپ کو بتا سکتا ہوں کہ میری تکلیف اپنی آخری حد کو پہنچنے کے بعد اپنا اثر کھو چکی تھی، کوڑے مارنے والے مجھے خود سے دُور محسوس ہو

Marfat.com

رہے تھے۔ حتیٰ کہ اس وقت بھی جب وہ مجھ پر اس خیال سے پتھر رکھ رہے تھے کہ میں ان کے بوجھ سے مر جاؤں گا۔ مجھے صرف یہ احساس ہو رہا تھا کہ وہ مجھ سے کوئی نئی اور مختلف حرکت کر رہے ہیں۔ میں ان کی رسائی کی حد سے باہر نکل چکا تھا۔ میں دیکھ رہا تھا کہ وہ اپنی بے ہودگیوں میں لگے ہوئے ہیں جس طرح وہ عکاظ کے میلے میں بکریوں کو نچاتے ہیں۔

پھر میں نے آنکھیں بند کر کے چہرہ آسمان کی طرف کر لیا، اچانک مجھے سر سبز و شاداب کھیت اور پھلوں سے لدے ہوئے درخت دکھائی دینے لگے۔ میں نے بہتی ندیوں کی سنسناہٹ سُنی۔ گہرے سائے کی مہک محسوس کی اور ایسے باغ میں داخل ہو گیا جس میں ہر نسل کی جوان عورتیں اور مرد وقار کے ساتھ چل رہے تھے۔ انہوں نے میرا خیر مقدم کیا اور مجھے ایک فوارے کی طرف لے گئے۔ جونہی میں نے اس سے پانی پیا میرے روح کی پیاس بجھ گئی۔ مجھے معلوم ہو گیا تھا کہ میں خدا کے قریب پہنچ گیا ہوں۔

کیا یہ ایک خواب تھا؟ ایک سرمستی تھی یا میری خیالی صورت گری تھی؟ یا انہوں نے کوڑے مار مار کر مجھ پر دیوانگی طاری کر دی تھی؟ کیا یہ ان سب ملی جلی کیفیات کا نتیجہ تھا جنہوں نے مجھ پر شاعرانہ اثرات مرتب کر دیئے تھے۔

تاہم یہ سب کچھ بہت جلد ختم ہو گیا مگر میں اب بھی اپنے آپ سے پوچھتا ہوں: کیا میں، بلال، ایک زیر ''اصلاح غلام'' تھا جو اپنے سامنے بہشتِ رفتگان پا رہا تھا؟

Marfat.com

مجھے پھر سے خرید لیا گیا

اسی نیم بے ہوشی کی حالت میں مجھے کچھ بحث و تکرار سنائی دی۔ ایک آواز امیہ کی تھی اور دوسری آواز نسبتاً مدھم تھی مگر معلوم نہیں ہو رہا تھا کہ یہ کون صاحب ہیں۔ میں نے اپنی آنکھیں کھولنے کی کوشش کی لیکن اس وقت شدید دھوپ تھی جس کی وجہ سے آنکھیں چندھیا گئی تھیں۔ وہ خرید و فروخت کے ضمن میں رقم کا ذکر کر رہے تھے۔ یہ کوئی غیر معمولی بات نہیں تھی۔ مکہ میں دولت کمانا ایک نشہ بن گیا تھا گویا کہ لوگوں کی انتڑیاں دولت سے ہی حرکت میں آتی تھیں۔ وقت کا ذکر بھی دولت کے حوالے سے ہوتا تھا۔ مجھے اس سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ میں دوبارہ سوچنا چاہتا تھا، مجھے غلامی کی حالت میں جاگنا پسند نہیں تھا۔ اور نہ ان آقاؤں کی نظروں کو خود پڑنا پسند کرتا تھا۔ میں اس سے بھی زیادہ فاصلے پر چلے جانا چاہتا تھا جہاں تک ان کی آواز نہ پہنچتی ہو۔ کیونکہ اب مجھے وہ کچھ معلوم ہو گیا تھا جو اس سے پہلے کبھی معلوم نہیں ہوا تھا۔ یہ لوگ جس انسان کو موت سے ہمکنار کرنا چاہتے تھے اسے بدترین موت کی نیند سلا دینے کی متمنی رہتے تھے۔ خدا بڑا رحیم و کریم ہے وہ جب اپنے کسی بندے کی روح نکالنا چاہتا ہے، نرمی سے نکالتا ہے۔

میں نے ایک تیسری آواز سُنی، یہ ابوسفیان تھا جو ایک مقتدر شخص تھا اور تحکمانہ انداز میں بات کرنے کا عادی تھا۔ وہ کہہ رہا تھا کہ کوئی غلام ''اصلاحی عمل'' میں سے گزر رہا ہو تو عرب کے سماجی اصولوں کے تحت وہ نہ خریدا جا سکتا ہے اور نہ بیچا جا سکتا ہے۔ میں نے اپنے جملہ حواس اس آواز پر مرکوز کر دیئے۔ امیہ نے جواب دیتے ہوئے کہا ''غلام پہلے ہی مر چکا ہے، اگر ابوبکر ایک لاش ایک سو درہم میں خریدنا چاہتا ہے تو یہ میری توقع سے کہیں زیادہ منافع ہے۔

Marfat.com

گفتگو میں ایک نئے نام کا ذکر آ گیا تھا: ابو بکر؟ وہ یہاں کیسے آ گئے ہیں؟ میں نے سخت دھوپ کے باوجود اپنی آنکھیں کھول دیں۔ ان کی گفتگو میں ایک سانس کھینچنے اور کچھ توقف کا احساس ہوا۔ ایک لمحہ گزرا پھر مجھے اپنے قریب سے ایک آواز سنائی دی جسے میں پہچان نہیں سکا تھا، اس نے اس جلتے ہوئے جہنم میں میرے پاس آ کر میرا نام لیا۔

امیہ شدید غصے میں بولا ''غلام نے پاؤں ہلایا ہے، میں نے اسے پیر اٹھاتے ہوئے دیکھا ہے۔'' پھر اس نے میرے سر کے قریب آ کر کہا: ''سانس لے لے، اے کالے کلوٹے مویشی، سانس لے۔'' یہ ایک اچانک رونما ہونے والی تبدیلی تھی۔ حالات نے تیزی سے پلٹا کھایا، ایک ایسا شخص جس نے مجھے مار مار کر ادھ موا کر دیا تھا اور میرے سینے پر پتھر کی سلیں رکھ کر میرا دم نکال دینے کے درپے تھا، اب مجھے زندہ دیکھنے کے لیے لجاجت کرنے لگا تھا۔ کسی نے سچ کہا ہے کہ زندگی بعض اوقات قہقہوں سے بھی زیادہ قہقہوں کے مواقع پیدا کر دیتی ہے۔

تھوڑی دیر بعد چند اور آوازیں سنائی دینے لگیں، امیہ پھر بولا ''ابو بکر............ اس نے اب حرکت کر کے اپنی قیمت بڑھوا لی ہے، یہ اس سے دوگنا کے قابل ہو گیا ہے چلو دو سو درہم دے دو اور اسے لے جاؤ۔''

انہوں نے مجھ پر سے پتھر کی سلیں ہٹائیں اور مجھے بٹھا کر میری رسیاں کھول دیں۔

بلال ایک بار پھر بیچ دیا گیا، جی ہاں اس کا ایک اور خریدار آ گیا تھا جس نے منہ مانگی قیمت ادا کر دی، مگر یہ خریداری، ایک لمحہ کے لیے ہی تھی۔ اسے اب کی بار نیا مالک نہیں ملا بلکہ آزادی ملی تھی۔ ایک نوجوان نے مجھے اٹھنے میں مدد دی۔ مجھے پہلے اسے دیکھنے میں کچھ مشکل پیش آئی۔ دھندلاہٹ دور ہوئی تو میں نے پہچان لیا کہ یہ کون ہے۔ یہ محمدؐ کا منہ بولا بیٹا زید بن حارثہ تھا۔ میں نے زبان سے کچھ نہ کہا، مجھے کہنے کی کوئی ضرورت بھی نہیں تھی۔ کیونکہ اس نے ایک ہی جملے میں ایک بہت بڑا اعلان کر دیا، ''بلال تمہیں غلامی سے آزاد کرا دیا گیا ہے۔''

امیہ خوشی خوشی رقم گن رہا تھا، پھر قہقہہ لگا کر بولا ''تم نے اس کے دو سو درہم دیئے ہیں، مگر میں تمہیں بتا دوں کہ میں تو اسے ایک سو میں بیچ دینے والا تھا'' کچھ اور قہقہے بھی لگے۔

Marfat.com

پھر میں نے ابو بکر کو دیکھا، یہ شخص فرشتۂ رحمت بن کر آیا تھا یہ میری اندھیری زندگی میں روشنی پھیلانے والا ایک چراغ تھا جس نے امیّہ کی ہنسی کا جواب دیتے ہوئے کہا ''امیّہ تم نے خود کو دھوکہ دیا ہے، اگر تم نے ایک ہزار درہم مانگے ہوتے تو میں وہ دینے کے لیے بھی تیار تھا۔'' میری قیمت تو واقعتاً زقند لگا کر اوپر چلی گئی تھی۔ ابو بکرؓ نے میرا ایک بازو تھاما اور زید بن حارثہ نے دوسرا۔ اور تھوڑا سا کھینچ کر چلایا، میری ٹانگوں میں اتنی جان نہیں تھی کہ میرا بوجھ اٹھا سکتیں، تاہم مدد ملنے کے بعد وہ کچھ چلنے کے قابل ہوگئیں۔

میں پانچ دن ابو بکر صدیقؓ کے گھر میں ایک نیم تاریک کمرے میں رہا اور ہوش سے بے ہوشی اور بے ہوشی سے ہوش میں آتا جاتا رہا۔ مجھے دھندلی شکلیں دکھائی دیتی رہیں جو کبھی تیل سے میرے جسم کی مالش کرتیں اور کبھی ٹکور کرتیں۔ کبھی ٹھنڈی اور کبھی گرم پٹیاں باندھی جاتیں اور ایسا کرنے والے آپس میں سرگوشیاں بھی کرتے۔ ایک بار میں جاگا تو میں نے ایک شخص کو کمرے کے کونے میں نماز پڑھتے دیکھا۔ مگر پھر میں سو گیا۔ چھٹی صبح میں اٹھنے کے قابل ہو گیا اور میں نے تازہ ہوا میں چند اوّلین قدم اٹھائے۔ ابو بکر یہ دیکھ کر خوشی سے پھولے نہ سمائے۔ وہ ایک بکری کو لائے اور اس کا دودھ نکال کر مجھے پلایا۔ پھر انہوں نے مجھے بتایا کہ جب تم بیہوش تھے محمد صلی اللہ علیہ وسلم خود آ کر تمہارے پاس بیٹھتے اور تمہارا بخار اترنے اور جلد صحت یاب ہونے کے لئے دعائیں مانگتے رہے تھے۔ وہ تین دن یہاں تشریف لاتے رہتے۔ حتیٰ کہ تمہارا بخار اتر گیا جب تک تم صحت یاب نہیں ہوئے وہ آتے رہے، تمہیں روبصحت دیکھ کر وہ اتنے خوش ہوئے کہ میں نے انہیں اتنا خوش کبھی نہیں پایا۔ پھر انہوں نے کل تم اور میں اکٹھے پیغمبرؐ کے پاس جائیں گے۔

لوگوں کا کہنا ہے کہ میں اسلام میں آنے والا تیسرا آدمی ہوں۔ مگر یہ مقام جو وہ مجھے دیتے ہیں، بہت زیادہ ہے، میں تیسرا نہیں بلکہ 9واں آدمی تھا۔ میں اس حقیقت پر اظہار فخر کرتا ہوں کہ میں اوّلین صحابہ میں سے کمترین مقام رکھتا ہوں، کیونکہ انہوں نے مجھے پتھر کے نیچے سے کھینچ کر باہر نکالا تھا۔

Marfat.com

رسالتمآبؐ سے پہلی ملاقات

حسبِ وعدہ ابوبکر صدیق مجھے محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کے لیے لے کر پہنچ گئے۔ آپؐ کی پیشانی اعلیٰ ظرف اور شرافت ونجابت کی مظہر تھی جسے دیکھتے ہی مجھے آپؐ کی طبعی فیاضی و بلند حوصلگی کا یقین آ گیا۔ آپ کی خندہ روئی نے میرے دل میں خوشی کی ایک لہر دوڑا دی۔ آپ کی آنکھیں کشادہ روشن اور سیاہ تھیں جن میں گہرے بادامی رنگ کی جھلک ملتی تھی۔ آپ مصافحہ کرتے تو آپ کے ہاتھوں کی مضبوطی آپ کے پُرعزم وپُر جوش ہونے کی غمازی کرتی۔ چلتے تو قدم یوں اٹھاتے جیسے پانی پر چل رہے ہوں۔ جس طرف مڑتے تو پورے بدن کے ساتھ مڑتے۔ پیغمبر خدا کی ہمہ گیر شخصیت کی یہ صرف ایک جھلک تھی۔

جب پہلی بار میں آپ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا آپ ایک سادہ سی چٹائی پر بیٹھے تھے۔ پاس آپ کے چچا زاد بھائی حضرت علیؓ بھی تھے۔ جب آپؐ نے مجھے دیکھا تو آپ کی آنکھیں آنسوؤں سے تر ہوگئیں۔ علیؓ نے، جو اس وقت بالکل بچے سے تھے آپؐ کا ہاتھ تھاما اور پوچھا آپؐ کیوں رو رہے ہیں، کیا یہ کوئی بُرا آدمی ہے؟ آپ نے جواب دیا نہیں نہیں، اس آدمی نے اللہ کی خوشنودی کے لیے بڑی بڑی تکلیفیں برداشت کی ہیں۔ پھر آپؐ تیزی سے اٹھے اور مجھے اپنے سینے سے لگایا۔ آپ نے فرمایا، ''بلال تمہارا ذکر ہمیشہ ہوتا رہے گا، تم پہلے آدمی ہو جس نے اسلام کی خاطر اذیتیں برداشت کی ہیں۔'' جب سے میرے باپ اور ماں کا انتقال ہوا تھا میں نے پہلی بار کسی آدمی کے محبت بھرے آنسو اپنے چہرے پر محسوس کیے تھے۔

مجھے ایسا احساس ہوا جیسے مجھے کسی گڑھے کی تہہ سے بحفاظت نکال لیا گیا ہو۔ تاہم

Marfat.com

میں اس لمحے کی خوشی کو آج اس طرح بیان نہیں کر سکتا جس طرح آپ سننے والے مجھ سے توقع کرتے ہیں۔ میں کیسے بیان کر سکتا ہوں کہ محمدؐ میرے لیے اشکبار ہوئے تھے اور میں اس پاکیزہ ترین دل کے لیے اداسی لانے کا باعث بنا تھا۔ نہ ہی میں یہ سمجھ سکتا ہوں کہ میرے مسیحی دوست یسوع کے آنسوؤں سے کیسے تسکین پاتے ہیں جو یسوع نے ان کے لیے بہائے تھے۔ میرے پاس صرف اپنے تجربات ہیں، میں انہی کو بیان کر سکتا ہوں۔ پیغمبر کے لیے باعثِ غم و اداسی بننا کوئی عزت کی بات نہیں۔ مجھے سب لوگ کہتے ہیں کہ نبی نے تیرے لیے آنسو بہائے اور انہی کی وجہ سے مجھے بلند مرتبہ ملا ہے۔ یہ درست نہیں ہے۔

محمدؐ نے میرا بازو تھاما اور پہلی بار مجھے پکڑ کر اپنے پاس بٹھایا۔ مجھے یقیناً ہچکچانا چاہیے تھا۔ یہ کہانی سننے والوں کے لیے یہ سمجھنا آسان ہے کہ میں آپ سے پہلے کبھی قریش کے کسی فرد کی موجودگی میں نہیں بیٹھا تھا۔ میرا مقام تقاضا کرتا تھا کہ میں اس کے سامنے کھڑا رہوں۔ مجھے یاد ہے کہ میں ہچکچایا تھا کیونکہ محمدؐ نے میری جھجک دُور کرنے کے لیے ذرا سا مذاق بھی کیا تھا: آپ نے کہا کہ اگر ہم کھڑے ہی رہے تو علی اپنے کھیل ہمیں نہیں دکھائے گا۔

چنانچہ میں آپ کے پاس پہلی مرتبہ بیٹھا۔ اس طرح میری صحابیت کا آغاز ہو گیا جو بائیس سال تک، یعنی آپؐ کی وفات کی رات تک برقرار رہی یعنی میں آپؐ کے پاس بیٹھتا، اٹھتا، آپ کے ہمراہ چلتا پھرتا رہا۔ اور کبھی سفر درپیش ہوتا تو آپ کے ساتھ میں بھی سواری پر جاتا رہا۔ مدینہ منورہ میں بھی، میں ہی تھا جو فجر کی اذان دینے کے لیے جانے سے پہلے آپؐ کو نیند سے بیدار کرتا تھا۔ میں آپؐ کے حجرے کے دروازے پر ہلکی سی دستک دیتا اور کہتا ''نماز کا وقت ہو چکا ہے اے رسول اللہ۔'' میں اصحابِ رسول میں سے ایک تھا جسے اصطلاحاً ''صحابی'' کہا جاتا ہے، یہ ایک ایسا خطاب ہے جو شہزادوں سے بھی بڑھ کر ہے۔ اس روز آپؐ کے پاس میں چٹائی پر اس لیے بیٹھ گیا کہ میں بلندی پا سکوں میری اس مسکراہٹ پر مجھے معاف کر دیجیے کہ اتنا سا مذاق نامناسب نہیں۔

جب ننھے علی نے ''تماشہ'' دکھانا شروع کیا تو گھر میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ وہ آگے پیچھے اُچھلتے، کودتے قلابازیاں کھاتے اور دوڑ کر (حضرت) محمد کے سینے سے لگ جاتے۔ یہ بڑا قابل دید منظر تھا کہ آپؐ بچے کو اچھالتے اور پھر اپنے بازوؤں میں لے لیتے۔ آپؐ سے بچے

Marfat.com

ہمیشہ پیار کرتے گویا آپ کی ذات میں بچوں کے لیے کوئی خاص نغمہ تھا جسے صرف وہی سُن سکتے تھے۔ آپؐ ہر عمر کے بچے کی بولی بولتے اور بچوں کے ساتھ ان کی سطح کے مطابق مذاق بھی کرتے جسے وہ سمجھ جاتے اور خوب لطف اٹھاتے۔ ایک روز آپ ایک چھوٹی بچی کو اپنے کندھوں پر اٹھائے مسجد میں نماز پڑھنے آئے۔ بچی ایک فرشتے کی طرح سب سے اونچی بیٹھی آپؐ کے بالوں کے ساتھ کھیل رہی تھی، آپ نے اسے صرف اس وقت اتارا جب آپ نماز پڑھنے لگے اور اس کے بعد پھر اسے اپنے کندھوں پر سوار کرلیا۔ اس کا نام امامہ تھا۔

لیکن یہاں میں ایک بار پھر اصل کہانی سے ہٹ رہا ہوں حالانکہ مجھے ایسا نہیں کرنا چاہیے۔ اصل بات یہ ہے کہ میں رسول اللہ کی شخصیت کو ذہن میں لاتا ہوں تو میرے خیالات ازخود اپنے دائرے سے باہر نکل جاتے ہیں۔ میں اپنا وہ زمانہ یاد کرتا ہوں تو مجھے آپؐ کی متعدد کہی ہوئی باتیں اور کیے ہوئے کام ایک ایک کر کے یاد آتے چلے جاتے ہیں لیکن چونکہ میں اس وقت ایک بوڑھا آدمی ہوں اس لیے اپنی یادداشتوں کو ترتیب وار بیان کرنے سے معذور ہوں۔ امید ہے کہ کہانی کو پڑھنے والے میری اس معذرت کو قبول کریں گے۔

یہ بچی امامہ جسے آپؐ اپنے شانے پر بٹھا کر واپس لے گئے، یہ آپؐ کی نواسی اور خدیجۃ الکبریٰ کی ہمشیرہ ہالہ کی پوتی اور ابوالعاص اور زینب کی بیٹی تھی۔

ہم واپس پہنچے، تو علی بدستور کھیل رہے تھے دیگر افرادِ خاندان بھی آ گئے۔ خدیجہ ان کی چار بیٹیاں زینب، رقیہ، فاطمہ اور امّ کلثوم سب گھر میں تھیں۔ سب نے مجھے بے حد شفقت اور محبت بھری نظروں سے دیکھا۔ فاطمہؓ نے مجھ سے حبشہ کے پہاڑوں اور درختوں کے بارے میں پوچھا، ان کے متعلق مجھے کچھ بھی معلوم نہ تھا۔ امّ کلثوم کھجوروں بھری ایک ٹوکری لے کر آ گئیں۔ نبی اکرمؐ نے انہیں اپنی انگلیوں کے پوروں سے ٹٹول ٹٹول کر دیکھا اور نرم اور زیادہ میٹھی میٹھی کھجوریں چن چن کر مجھے دینے لگے۔ پہلی کھجور آپ نے خود کھائی جسے ٹٹولنے کی ضرورت آپ نے محسوس نہ کی البتہ مجھے اچھی اچھی کھلاتے رہے۔

پھر خدیجہؓ ہمارے لیے بکری کا تازہ نکالا ہوا دودھ لائیں جو ابھی تک گرم تھا۔ خدیجہؓ اپنے شوہر سے پندرہ برس بڑی تھیں، اور دراز قد اور حسین عورت تھیں، اور بہت پُر وقار انداز میں چلتی تھیں۔ ان کی شادی ہوئے پچیس برس ہو چکے تھے۔ اگرچہ وہ پچاس سال سے کچھ زائد

Marfat.com

عمر میں فوت ہوئیں مگر ان کے ہوتے ہوئے آنحضرت صلعم نے کوئی دوسری شادی نہیں کی اور نہ ہی کسی دوسری عورت پر نظر ڈالی۔ تاہم ہر قلب کبھی نہ کبھی سوگوار ہوتا ہے، غموں سے کسی کو چھٹکارا نہیں ہے، اس پاکیزہ جوڑے کو بھی اپنے دو شیر خوار بیٹوں کی وفات کا صدمہ برداشت کرنا پڑا تھا۔ ان کے نام قاسم اور عبداللہ رکھے گئے تھے۔ اول الذکر اوّلین اولاد تھے، انہی کے حوالے سے آپ کی کنّیت ابو القاسم پڑی تھی۔ آپ کی صاحبزادی زینب قاسم کے بعد پیدا ہوئیں، بعد میں فاطمہ اور پھر عبداللہ پیدا ہوئے تھے۔

شام کی آمد کے سائے طویل ہو رہے تھے، فضا میں ارتعاش پیدا ہوا اور مکہ، جس نے دوپہر سے اپنی سانس روک رکھی تھی پھر سے سانس لینا شروع کر دی۔ ایسے دنوں میں گھٹن سی ہو جاتی ہے، لوگوں کے دِقّت سے سانس لینے کی آواز بھی تقریباً سُنی جا سکتی ہے۔ رسول اللہ اٹھے اور فرمایا ''چلو باہر صحن میں چلتے ہیں وہاں ہوا کچھ بہتر ہو گی۔''

میں نے آپ کے پیچھے چلنے کی کوشش کی مگر مجھے اچانک اینٹھن کا دورہ پڑا جو مجھے ریت پر لٹا کر کوڑے مارنے کے اثرات کا نتیجہ تھا، میں خود کو اپاہج ہوتا ہوا محسوس کرنے لگا۔ ابوبکرؓ جو قریب ترین تھے انہوں نے مجھے اپنے بازوؤں کے حصار میں لے لیا اور گرنے سے بچا لیا۔ جب کہ خدیجہؓ نے اپنی بیٹیوں کو آواز دی اور انہیں کمبل اور تیل گرم کر کے لانے کو کہا۔ مگر رسول اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک دوسرا علاج تھا۔ آپؐ نے فرمایا ''کھڑے ہونے کی کوشش کرو، خون کو گردش میں آنے دو'' اور اپنے مبارک ہاتھ نیچے لے گئے۔ میرا خیال نہیں تھا کہ میں اپنی ٹانگیں سیدھی کر سکوں گا، چہ جائیکہ میں ان پر اپنا وزن ڈال سکتا۔ مگر میں نے آپ کے ہاتھ پکڑ لیے۔ آپ نے مجھے اٹھایا اور میں تھوڑا سا اٹھ گیا۔ اور ایسے محسوس کیا جیسے میرا سارا درد غائب ہو گیا ہے۔

یہ نہ سمجھیے کہ یہ کوئی معجزہ تھا۔ آپؐ نے بیماروں کو شفا دینے یا مُردوں کو زندہ کرنے زخموں سے نڈھال غلاموں کا درد رفع کرنے، پانی پر چلنے یا لوہے کو تیرانے قسم کے معجزے نہیں دکھائے۔ جیسا کہ اَلْیَسَع نے دکھائے تھے۔ جب کفار آپؐ کا تمسخر اڑاتے تھے آپؐ نے ''ایجاہ

Marfat.com

کی طرح کبھی مادہ ریچھ کو زمین سے نکالنے کا حکم نہیں دیا جس نے کہ (بائیبل کی ایک کہانی کے مطابق) ''بیت ایل'' کے مقام پر زمین میں سے برآمد ہوتے ہی بیالیس بچوں کو چیر پھاڑ دیا تھا۔ اس شام جب نبی اکرمؐ نے مجھے اٹھانے کے لیے مجھے ہاتھ لگایا، میرا درد فوراً غائب ہو گیا۔ آپؐ ہر شخص کے اندر موجود خفیہ قوتوں کو تلاش کرتے اور اس کا مظاہرہ کر کے دکھا سکتے تھے جیسا کہ آپؐ ہر فرد کے اندر فطری رحم و ہمدردی تلاش کر سکتے تھے۔ مگر آپ فرمائشی معجزہ نہیں دکھاتے تھے۔ میں ایسی فرمائشیں کرنے والوں پر ہنستا تھا کیونکہ میں آپؐ کو جانتا تھا۔ آپ نے مجھے اپنے درد پر قابو پانے کی قوت عطا کی۔ اس کے بعد میرا درد غائب ہو گیا۔ کیا لوگوں کی آنکھیں کھولنے کے لیے یہ کافی نہیں۔

حضرت محمدؐ نے بطور انسان زندگی بسر کی اور ایک انسان کے طور پر دنیا سے رخصت ہوئے۔ تاہم خدا نے آپ کو اس سے کہیں زیادہ انعامات دیئے جتنے اس نے اپنے دیگر پیغمبروں میں سے کسی ایک کو دیئے تھے۔ اس نے آپ کو اپنا کلام عطا کیا، یہ کلام وہ ہے جسے ہم قرآن مجید کہتے ہیں اور اس نے اس کی حفاظت بھی اپنے ذمہ لے رکھی ہے۔

جب آپؐ مجھے لے کر چلنے لگے تو آپ نے دھیمی آواز میں مجھ سے پوچھا: ''بلال تم اللہ کے بارے میں کیا جانتے ہو؟''

میں نے کہا ''میں اپنے دل میں اس کو جانتا ہوں میں نے یہ کہہ تو دیا مگر اپنے جواب سے میں پوری طرح مطمئن نہیں ہوا۔ چند قدم مزید آگے چلے تو میں نے پھر جواب دینے کی کوشش کی۔ ''میں اسے جانتا ہوں مگر پوری طرح نہیں جانتا ہوں، کیا تلاش کر کے اسے اچھی طرح جانا جا سکتا ہے؟''

محمدؐ کچھ دیر خاموش رہے، ایسے لگتا تھا کہ آپؐ نے میرا سوال نہیں سنا۔ آپ نے کچھ توقف کیا، پھر انتہائی اپنائیت اور توجہ سے پورے جسم کے ساتھ میری طرف گھومے ''ہاں بلال تلاش کرنے سے، اس کو پانے کی دعا کرنے سے، اس کی حمد کرنے سے، اور اپنے بھائی بندوں کے ساتھ اچھا سلوک کرنے سے۔ مگر یہ بات ہمیشہ یاد رکھنا کہ صرف اپنی کوشش سے ہی اسے

Marfat.com

نہیں پا سکو گے، یہ خدا ہی ہے جو بندوں کے قریب آ جاتا ہے اور مخلص بندے کو منتخب کر لیتا ہے۔'' آپ کے چہرے پر اس وقت سنجیدگی اور طمانیت ہویدا تھی جبکہ آپ کی آواز میں قوتِ ایمانی کا بھرپور اظہار ہو رہا تھا۔ آپؐ فرما رہے تھے ''میں اللہ کا رسول ہوں اور جانتا ہوں کہ اللہ تک پہنچنے کا راستہ اسلام ہے۔''

یہ یادگار دن تھا کہ میں نے دوسری بار آپؐ کی زبان مبارک سے لفظ اسلام، مفہوم سمجھے بغیر سنا تھا، اگرچہ ہر بار مفہوم کچھ زیادہ واضح ہو جاتا تھا۔ آپ نے میری ناسمجھی کو بھانپتے ہوئے اپنا دستِ شفقت میرے شانے پر رکھا اور فرمایا: ''اسلام اللہ کے سامنے سرِ اطاعت خم کا نام ہے، وہ وحدہٗ لاشریک ہے۔ اسلام بلا امتیاز رنگ و نسل اور اونچ نیچ سب انسانوں کے ساتھ نیک برتاؤ کا حکم دیتا ہے، اور اللہ تعالیٰ نے اسلام ہی کو سب انسانوں کے لیے منتخب کیا ہے۔''

پھر آپؐ نے اپنا ہاتھ میرے کندھے پر سے ہٹا لیا اور شرمیلے پن سے پیچھے مڑے جیسا کہ آپؐ مجھ جیسی سمجھ کے آدمی سے ذرا جلدی سے بہت کچھ کہہ بیٹھے ہوں پھر فرمایا ''کہ یہ سب خدا کا کہا ہوا ہے۔'' آپ نے دھیمی آواز میں، مجھ سے زیادہ خود سے کہا ''اب چلوں نماز کے لیے۔'' چنانچہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے میری پہلی ملاقات ختم ہو گئی اور میرے اسلام کا آغاز ہو گیا۔

Marfat.com

ابو بکر صدیقؓ سے ملاقات

میرے حالات یقیناً تبدیل ہو چکے تھے۔ میں ایک ایسے گھر میں رہنے لگا جس میں نہ کوئی غلام تھا اور نہ کوئی غلاموں کا باڑہ۔ ابو بکرؓ اپنے گھر میں آقا کی مانند نہیں رہتے تھے بلکہ اپنی چھت کے تلے آنے والوں کے خادم دکھائی دیتے تھے۔ صبح سویرے ان کا اولین کام اپنی بکریوں کا دودھ دوہنا تھا۔ نہیں نہیں ایسا کہنا ان کے ساتھ ناانصافی ہوگا۔ وہ سب سے پہلے نماز ادا کرتے، اور اس کے بعد اپنی تین بکریوں کا دودھ نکالتے۔ رسول اللہ نے اپنے سب صحابہ کو رحم دلی کی تعلیمات سے آراستہ کیا تھا مگر ابو بکر ان سب سے زیادہ شفیق اور رحمدل انسان تھے۔ تاہم بعد ازاں جب صحابہ کو جہاد فی سبیل اللہ کے لیے طلب کیا گیا تو ابو بکر اس میدان میں بھی سب سے آگے نکل گئے۔ اور ہمیشہ آگے ہی رہے۔

گھرانے میں جتنے بھی چھوٹے موٹے کام ہوتے وہ انہیں اپنے ہاتھ سے انجام دیتے۔ حتیٰ کہ تاریخ نے بھی انہیں تبدیل نہ کیا۔ جب وہ خلیفہ یعنی جانشین مصطفیٰ اور نصف دنیا کے حکمران تھے، جب ان کی عساکر بڑی بڑی سلطنتوں کو تہ و بالا کر رہی تھیں، تو آپ کو پتہ ہے کہ وہ کہاں بیٹھے پائے جاتے تھے؟ وہ اپنے دروازے پر بیٹھ کر اپنے جوتے گانٹھنے میں مصروف ہوتے تھے۔ کم از کم میں نے تو یہی دیکھا۔ 634ھ کے موسم بہار میں جس روز میں جنگِ بابل میں عظیم فتح کی خوشخبری لے کر ان کے پاس پہنچا تو وہ اسی کام میں مصروف تھے۔ لیکن میرے اسلام لانے کے پہلے روز جب میں ابو بکرؓ کے پاس اکیلا بیٹھا تھا، اس وقت ہم مسلمان مٹھی بھر تھے جبکہ فارس کی عظیم سلطنت، اپنی ہزار سالہ تاریخ طے کرتی ہوئی، ابھی اپنی شان و شوکت کے مزے لوٹ رہی تھی۔ مجھے ان لمحات میں فارس کا تختہ الٹ دیئے جانے کا

Marfat.com

قصہ نہیں چھیڑ دینا چاہے تھا، اس کا آگے ذکر آئے گا۔

جس وقت میری ابوبکرؓ سے ملاقات ہوئی وہ اپنی بکریوں کا دودھ نکال کر آرہے تھے۔ میں نے ایک بار پھر ان کا اس بات پر شکریہ ادا کیا کہ انہوں نے مجھے خریدا تھا۔ مگر انہوں نے الٹا میرا شکریہ ادا کرنا شروع کر دیا جیسا کہ میں نے غلامی سے چھٹکارے کے لئے ان سے اپنی قیمت دلوا کر ان پر احسان عظیم کر دیا ہو۔ انہوں نے کہا ''محمدؐ ہمیں درس دیتے ہیں کہ غلام کو آزاد کرانے پر اللہ خوش ہو جاتا ہے''

انہوں نے یہ بات کچھ خجالت کے انداز میں رکتے رکتے کہی۔ کیونکہ جس غلام کو انہوں نے آزاد کروایا وہ میں ہی تھا اور وہ اتنے دیانتدار تھے کہ اس کو اپنی روحانی خودغرضی کا کام سمجھتے ہوئے اپنی تسکین روح کو مجھ سے چھپانے کی کوشش کر رہے تھے۔ مگر ہر مذہب میں نیکیوں کے جذبے کا ایک امتحان ہوتا رہا ہے۔

پھر بولے ''اچھا تو بلال تمہیں ایک کام کرنا ہوگا، کیا تم ماضی کی غلامی سے بڑھ کر مشقت کا ایک کام کرنے کے لئے تیار ہو گے؟۔

میں کیا کہہ سکتا تھا؟ میں ''بولا ہاں میرے آقا'' میرے اس جواب سے انہیں کچھ دکھ پہنچا۔ مجھے احساس ہوا کہ میں واپس اپنے دور غلامی میں چلا گیا ہوں جہاں ان کی نظر نہیں پہنچتی۔ ''ہاں میرے آقا'' کے الفاظ ایک غلام کا جواب تھے، اس سے بھی بڑھ کر مجھ سے غلطی یہ ہوئی کہ میں نے یہ کہتے ہوئے حسب عادت اپنا سر جھکا دیا تھا۔

انہوں نے دودھ کی بالٹی زمین پر رکھی اور مجھے دونوں کانوں سے پکڑا، جی ہاں کانوں سے، اور اپنی پیشانی پیار سے میری پیشانی سے بار بار ٹکراتے ہوئے کہا۔ ''سنو، بلال، اب تم ایک آزاد آدمی ہو، کوئی تمہارا آقا نہیں۔ تمہیں اب آزاد ہونا سیکھنا ہوگا۔''

''جی جی، ...... جی ہاں، اچھا''۔ میں نے یہ جملہ؟ بار بار سر کے ٹکرانے کے دوران کہا۔

پھر وہ خوب ہنسے اور میرے کان چھوڑتے ہوئے میرے گال تھپتھپائے۔ اور بولے ''تمہیں کیا سکھاؤں؟ ایک بات تو یہ ہے کہ جب تمہیں پکارا جائے تو تمہیں چونک نہیں پڑنا چاہئے...... جو شخص تم سے بات کرے تو اس کے چہرے کی طرف دیکھ کر جواب دو...... یہ بھی جان لو کہ تمہارا سایہ تمہارا اپنا ہی ہے۔ سمجھے کہ نہیں۔ یہ چند ایک اہم باتیں ہیں......'' یہ کہتے

Marfat.com

کہتے وہ رک گئے۔ایک حاملہ بلی دودھ کی بالٹی کے گرد چکر لگانے لگی میں انتظار کر رہا تھا کہ اسے اس کا حصہ ملنے میں کتنی دیر لگتی ہے۔ابوبکر اس طرف متوجہ ہو گئے،میرا خیال تھا کہ میں نمٹ چکا ہوں۔ان کی جگہ میں ہوتا تو بلی کو ٹھڈا مار کر پرے دھکیل دیتا۔مگر ابھی مجھے بہت کچھ سیکھنا تھا،مجھے یاد آیا کہ جب ہم مکہ کی طرف جا رہے تھے۔حضرت محمدؐ ایک دس ہزار افراد کے لشکر کی قیادت کر رہے تھے،آپؐ نے ایک کتیا کو دیکھا جو اپنے پلوں کو جنم دے رہی تھی،آپ اسے خوفزدہ ہونے سے بچانے کے لئے مقررہ راستے سے تقریباً سو گز ہٹ کر گزرے۔یہ نبی آخرالزمان کا طرزِ عمل تھا کہ آپؐ نے اپنے اہل لشکر کو عملی طور پر سکھا دیا کہ جنگ میں،یا جنگ کے لئے جاتے ہوئے جانوروں کا کس طرح خیال رکھا جاتا ہے۔آپؐ کا ارشاد ہے کہ بلی پر ظلم کرنے والا بھی جہنم میں جا سکتا ہے۔اور کمزور مخلوق خدا کو پانی پلانے والا جنت کا حقدار بن سکتا ہے۔

ایسی باتیں میرے لئے نئی تھیں۔بلی کو غذا دی جا رہی تھی اور میری غذا کی کسی کو فکر نہیں تھی۔ایک آزاد شدہ غلام کیسے توقع کر سکتا تھا کہ اسے بلی سے کمتر سمجھا جائے گا؟ آخر کار بلی کے پاس بیٹھے شریف النفس انسان نے اپنی بات،پچھلی گفتگو کے تسلسل میں جملے کے نصف حصے سے شروع کر دی۔

......لیکن بلال اس سے بھی زیادہ ایک اہم چیز مستقبل ہوتا ہے اور غلاموں کا کوئی مستقبل نہیں ہوتا۔انہیں آزادی کے قابل ہی نہیں سمجھا جاتا...... اتنے میں وہ پھر مڑ کر بلی کی طرف دیکھنے لگے جو لپ لپ کر کے دودھ پی رہی تھی جیسے وہ سمجھ رہے ہوں کہ یہ بلی انہیں مستقبل کے بارے میں نہایت اہم بات بتانے والی ہے۔جبکہ مجھے ابھی یہ سیکھنا تھا کہ زندگی کی ہر جنبش اور ہر لہر خدا کی تخلیق ہونے کی وجہ سے ابوبکر کو بہت بھلی لگتی ہے۔جو لوگ خدا سے محبت کرتے ہیں وہ ہر مخلوق اور ہر پھول کے اندر درس ہی درس پاتے ہیں۔

ایک دن انہوں نے مجھ سے پوچھا ''اگر میں تمہیں ایک قلم بنا دوں،تو کیا تم لکھنا سیکھو گے؟''

Marfat.com

یہ سوال مجھے بہت ہی لا پرواہی سے پوچھے جانے والے سوال کی طرح لگا، جیسے کہ پوچھے جانے کے قابل نہ تھا۔لیکن یہی لمحہ تھا کہ میں غلامی کے حلقے سے باہر نکلا تھا، یہ مجھے ابوبکر سے ملا تھا۔ یہ وہ چیز تھی جو ابوبکر نے مجھے دی، نہ کہ وہ جو مجھے آزاد کرانے کے لئے میرے سابقہ آقا نے دی تھی۔اس چیز (علم) نے مجھے حقیقی آزادی دے دی۔ یہ ان کے پہلے احسان سے بھی بڑا احسان تھا۔

چنانچہ میں نے لکھنا سیکھ لیا۔پہلے میں نے نیل کے پتے سے سیاہی (روشنائی) بنانا سیکھی۔ پتے کو مغرب کے وقت پانی میں بھگوتا اور رات بھر اسے پڑا رہنے دیتا،صبح اسے باہر نکال کر کوٹتا پھر سائے میں خشک کرتا۔جن چیزوں پر لکھتا وہ چمڑا، درخت کی چھال، بھیڑ کے کندھے کی ہڈیاں، گوندھی ہوئی مٹی اور پتھر کی سلیں وغیرہ ہوتی تھیں۔ ہر وہ چیز کام دیتی تھی جس پر حروف بنائے جا سکتے ہوں۔کچھ بھی پاس نہ ہوتا تو اپنی انگلی سے ہوا میں فرضی حروف لکھتا رہتا تھا۔

ابوبکر ہر روز ناگ پھنی کے پودے کے ڈنٹھل سے نیا قلم تراش کر مجھے دیتے اور میں دن میں کئی وقفوں میں اسے پتھر کی سلوں، چمڑے چھال اور ہڈیوں وغیرہ پر گھستا رہتا۔اس طرح ان کا بھی معمول بن گیا کہ وہ بعد از نماز فجر مجھے ایک قلم بنا کر دیتے اور بکریوں کا دودھ دوہتے اور ان کی دیکھ بھال وغیرہ میں مصروف ہو جاتے۔

وہ میرے شانے کے قریب کھڑے ہو کر مجھے دیکھتے رہتے میری اصلاح کرتے اور ترقی کو نوٹ کرتے رہتے۔میرے لئے صحرا کے افسانوی ہیرو عنترہ کا شاعرانہ کلام لاتے، مصرعے لکھنا اور بلند آواز میں انہیں پڑھنا سکھاتے۔عنترہ کی طرف بہت سے بہادری کے کارنامے منسوب ہیں، وہ عبلہ نامی ایک عورت کے عشق میں مبتلا تھا، اس کی بیشتر غزلیں اسی کے حسن و جمال کی تعریف میں ہیں جنہیں صحرا کے لوگ گاتے رہتے ہیں۔حکایتوں میں آتا ہے کہ عنترہ کے زمانے میں کوئی مرد شمشیر زنی اور شاعری میں اس کا ہمسر نہیں تھا۔میں جتنا جتنا اس کے اشعار پڑھتا جاتا، اس سے مرعوب ہوتا جاتا۔ایک ایسا وقت بھی آ گیا کہ میں نے عنترہ

Marfat.com

کو اپنی طرح ایک حبشی لونڈی کا بیٹا سمجھنا شروع کر دیا۔

پھر ایک روز ابوبکر بہت خوش خوش گھر آئے، میں روشنائی تیار کر رہا تھا میرے معمولی سے کام کی بھی بڑی تعریف کی اور بھرپور مسرت کا اظہار کیا۔ پھر میرے سیاہی سے لتھڑے ہاتھوں کو پکڑ کر اپنے ہونٹوں کے ساتھ لگایا۔ اور کہا ''تمہیں پتہ ہے کہ رسول اللہ نے آج کیا فرمایا......؟''

وہ مجھے ایک بنچ کے پاس لے گئے اور بیٹھنے کا حکم دیا۔ جیسے وہ مجھے ایک بڑی خبر سننے کے لئے ذہناً تیار کر رہے ہوں۔ اور میں واقعی اسے سننے کے لئے ہمہ تن گوش ہو گیا۔ بولے ''رسول اللہ نے آج فرمایا ایک عالم کے قلم کی سیاہی شہید کے خون سے افضل تر ہے''۔ یہ آپ ؐ کے اپنے الفاظ ہیں۔

میں اٹھ کر اس تسلے کے پاس گیا جس میں بھیگے ہوئے پتوں کی سیاہی بنی پڑی تھی اور اپنے دونوں ہاتھ اس میں ڈبو لئے۔ اور دیر تک ان ہاتھوں کو دیکھتا اور اظہار حیرت کرتا رہا۔

Marfat.com

حضرت محمدؐ کا بچپن اور جوانی

جو کچھ میں نے سنا اور پایا

اب میں حضرت محمدؐ کی ابتدائی زندگی کے وہ حالات جو میں نے سُنے اور جیسے پائے وہ بیان کروں گا۔ یہ آپؐ کے بچپن سے حضرت خدیجہ سے آپ کی شادی تک اور پھر بعد کی شادیوں سے متعلق بھی ہیں۔

خداوند تعالیٰ نے آپؐ کو پیدائش سے بھی پہلے آزمائشوں اور امتحانوں میں ڈال دیا تھا۔ خدا نے یہی چاہا تھا کہ وہ آپؐ کو غریب اور یتیم کے طور پر پیدا کرے۔ آپؐ کے والد عبداللہ آپ کو کبھی گود میں نہ بٹھا سکے، ان کا انتقال اس وقت ہوا جب آپ رحمِ مادر میں تھے، اور وہ اپنے اکلوتے بیٹے کے لیے صرف پانچ دبلے سے اونٹ اور چند بھیڑیں چھوڑ کر دنیا سے رخصت ہو گئے۔

روایات کے مطابق آپؐ 570 عیسوی میں 20 اگست کو دنیا میں تشریف لائے تاہم سنِ پیدائش یقینی نہیں۔ تو کیا حضرت عیسیٰ کا سنِ پیدائش یقینی تھا، کیا وہ اپنے کیلنڈر کے مطابق خود سے بھی پہلے سن 4 ''قبل مسیح'' میں پیدا نہیں ہو گئے تھے؟

کہا جاتا ہے جس رات نبی صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوئے آسمانوں میں جشن منایا گیا، لوگوں نے فرشتوں کو حمد کے گیت گاتے سُنا اور انہوں نے آسمانِ دنیا میں روشن شمعیں دیکھیں۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ سلطنت فارس میں ہزاروں برسوں سے جو الاؤ جلتا ہوا آ رہا تھا وہ اس رات بجھ گیا۔ اس الاؤ کو دائمی شعلہ (Eternal Flame) کہا جاتا تھا۔ روایتوں میں آتا ہے کہ اس

Marfat.com

رات ایک جواہر کی چونچ رکھنے والی فاختہ آسمان سے اتری اور نبی اکرم کی والدہ ماجدہ حضرت آمنہ کے بطن کو اپنے پروں سے سہلاتی رہی جس کی وجہ سے وہ عمل پیدائش کی تکلیف (دردِ زہ) سے محفوظ رہیں۔ حضرت عیسیٰؑ کی پیدائش کے حوالے سے یہ روایت ملتی ہے کہ اس رات آسمان پر ایک نیا ستارہ نمودار ہوا جس نے تین بادشاہوں کی نومولود یسوع کے پنگھوڑے تک رہنمائی کی، چوتھی ایک ملکہ تھی اس کا نام بیفان تھا وہ ستارے کی رہنمائی اس لیے نہ پاسکی کہ ستارہ بادلوں کی وجہ سے اس کی نظروں سے اوجھل ہو گیا تھا۔ تاہم وہ تاخیر سے پنگھوڑے کے پاس پہنچ گئی۔ ان روایتوں کی حقیقت اللہ ہی جانتا ہے۔

ایک اور روایت ہے کہ دو فرشتے جو سفید چمکدار لباس میں ملبوس تھے، وہ چار سالہ حضرت محمدؐ کے پاس آئے۔ اور ان کے دل کو باہر نکال کر دھویا اور اسے گناہِ آدم کی آلودگی سے پاک کر دیا۔ فرشتوں کے اس عمل سے ننھے حضور کو ذرہ برابر تکلیف نہیں ہوئی۔ اس معجزے کو ایک اور بچے نے بھی دیکھا جو اس وقت ان کے ساتھ کھیل رہا تھا۔

ایسی کئی روایتیں گردش میں تھیں کیونکہ اس زمانے میں لوگ بعض اوقات ضرورت سے زائد باتیں سننے کے خواہشمند تھے۔ مگر ہمارے پاس پہلے ہی سے وہ چیز موجود ہے جس کی ہمیں ضرورت ہے۔ یہ قرآن مجید ہے جو ایک یقینی رہنما ہے۔

جب حضرت محمدؐ چھ برس کے ہوئے تو آپ کی والدہ ماجدہ وفات پا گئیں اس طرح آپ ایک بار پھر یتیم ہو گئے۔ اور آپ اپنے مہربان چچا ابو طالب کی کفالت میں پرورش پانے لگے۔ اس لیے آپؐ کو گھر کا احتیاج نہ رہا۔ چچا نے نہ صرف آپ سے متعلقہ ہر ذمہ داری کو پورا کیا بلکہ آپ کو تجارت کے اصول بھی سکھائے۔ وہ آپ کو ہمراہ لے کر شام جانے والے کاروان میں شامل ہو گئے۔ تاجرانِ مکہ گنتی اور حساب کتاب خوب جانتے تھے مگر لکھنا پڑھنا بالکل نہیں جانتے تھے۔ چنانچہ ننھے محمدؐ کو بھی لکھنا پڑھنا نہیں سکھایا گیا۔ اس طرح آپؐ نبی الامی کہلاتے تھے۔

اللہ نے اپنی وحی اتارنے کے لیے ایک اُمّی کا انتخاب کیا گویا اس کو ایسے شخص کی

Marfat.com

ضرورت تھی جو نہ تو لکھے ہوئے الفاظ سے دھوکہ کھائے، نہ وہ الفاظ میں ردّ و بدل کرنے کا گناہ کر سکے۔ اور نہ ہی کوئی اسے ورغلا کر اپنی کم علمی کے جال میں پھنسا سکے۔ میں مسمّی بلال جس نے سیاہی پی ہے یقین کے ساتھ کہتا ہوں کہ بعض اوقات سیاہی نصف شب تک جلتے رہنے والے چراغ کے تیل کے ساتھ ہم آہنگ ہو جاتی ہے۔ میں پوچھتا ہوں کہ کیا یسوع لکھتے پڑھتے تھے؟ مجھے اس سوال کا جواب معلوم نہیں۔ جب وہ اپنی انگلی سے زمین پر کچھ لکھتے تھے ممکن ہے کہ وہ یہ کام توجہ بٹانے کی ترکیب کے طور پر کرتے ہوں۔ یہ یقینی بات ہے کہ یسوع نے اپنا لکھا ایک لفظ بھی پیچھے نہیں چھوڑا۔

بایں ہمہ حضرت محمدؐ کے عہد طفولیت کی نشانیوں اور معجزات کی کئی کہانیاں ملتی ہیں۔ مثلاً یہ کہ جب آپؐ اپنے چچا کے ہمراہ تجارتی قافلے کے ساتھ گئے تو بادل کا ایک ٹکڑا، پورے قافلے پر سایہ فگن رہا۔ ایک راہب بحیرہ جو اپنی خانقاہ سے قافلے کی آمد کو دیکھ رہا تھا، اس منظر سے بہت متاثر ہوا۔ اس نے قافلے میں شامل ایک ''لڑکے'' کو بغور دیکھا اور اپنے اندازے کے صحیح ہونے کی تائید کے طور پر راز داری سے آپ کی پشت پر مہر نبوت دیکھنے کی خواہش ظاہر کی۔ یہ مہر آپؐ کے دونوں شانوں کی ہڈیوں کے عین وسط میں گوشت کے ابھار کی صورت میں ایک بڑے سکے کے برابر تھی چنانچہ اس کے مشاہدے کے بعد راہب نے آپ کے چچا کو مشورہ دیا کہ وہ جلد از جلد اپنے بھتیجے کو واپس لے جائے کیونکہ یہودی اپنی نسل کے کسی فرد کے سوا کہیں اور نئے نبی کی بعثت کو گوارا نہیں کر سکتے، انہیں اس غیر معمولی علامت کے حامل بچے کے بارے میں شبہ پڑ گیا تو اس کا خطرناک نتیجہ نکل سکتا ہے۔

اس پر آپ کے چچا پریشان ہو گئے اور اپنے تجارتی سامان کو جلدی جلدی فروخت کر کے واپس مکہ پہنچ گئے۔ میں نے ان باتوں کے علاوہ اور بھی کئی غیر معمولی حالات اور نشانیوں کی خبریں سنی ہیں۔ میں نے حلقہ بگوش اسلام ہونے کے بعد بائیس برس آپؐ کی معیت میں گزارے، آپ کی وفات کے بعد کے دس برسوں میں، میں نے دوران زندگی کے معجزات کے مقابلے میں بعد میں کہیں زیادہ معجزات سنے ہیں۔ معجزات یقیناً صادر ہوئے ہوں گے۔ لیکن جیسا کہ قرآن ہمیں بتاتا ہے کہ علم سے کورے لوگ معجزات کے ذکر سے اپنے پیٹ بھرنے کی کوشش کرتے ہیں، اس کے لئے ان کے معدے بہت بڑے بڑے ہیں۔ اگر مجھے

Marfat.com

اللہ نے زندگی دی تو ممکن ہے کہ میں ان معجزات کے انداز کے بارے حقیقت حال جان سکوں۔ غالباً ایک بات جو ایک شخص کے لئے معجزہ ہوتی ہے وہ دوسرے کے لئے محض ایک عام واقعہ ہوتی ہے۔

آپ ؐ نے مجھے بتایا کہ آپ ؐ گلہ بانی کرتے تھے اور صبح کے وقت بکریوں کو لے جاتے، ان کے لیے مکہ کی پہاڑیوں کے دامن میں خار دار جھاڑیوں میں سے سیاہ رنگ کا فروٹ تلاش کرتے تھے۔ آپ فرماتے تھے کہ ''تمام انبیاء و رسل بھیڑ بکریاں پالتے اور گلہ بانی کرتے تھے۔'' یقیناً وہ اپنا خاصا وقت ان تنہائیوں میں بھی گزارتے، کائنات کی نیرنگیوں کا مشاہدہ کرتے، اور غور وفکر کر کے نتائج اخذ کیا کرتے تھے۔ پھر انسانوں کے مجمعوں کا سامنا کرتے اور ایک ایک فرد پر بھی محنت کرتے تھے۔ خواہ وہ یروشلم میں ہوتے یا دمشق میں۔ میں اکثر سوچتا تھا کہ حضرت موسیٰ کے سولہ معجزوں نے کیوں نہ فوراً ساری دنیا کو تبدیل کر دیا۔ جب کہ ان معجزات کو ہزاروں لوگ دیکھا کرتے تھے۔ حقیقت حال تو اللہ ہی کو معلوم ہے۔ ایسے لگتا ہے کہ جب خدا نے قرآن دے دیا تو معجزات صادر کرنے کا سلسلہ بند کر دیا، ان کی مزید ضرورت نہیں رہ گئی تھی۔

جب حضور چودہ برس کے ہوئے تو آپ سے گلہ بانی کا سلسلہ چھڑوا کر عسکریت کی تربیت دینا شروع کر دی گئی۔ آپ، جنگ فجّار میں شریک تھے، یہ بہت خون ریز معرکہ تھا اس پر شعرا نے بے شمار حزنیہ اشعار کہے ہیں۔ آپ ؐ کم سنی کی بنا پر تلوار چلانے کے قابل نہیں تھے۔ اس لیے آپ کے ذمہ یہ کام لگایا گیا کہ آپ زمین پر پڑے استعمال شدہ تیروں کو اکٹھا کریں تاکہ انہیں اپنے سپاہی کام میں لاسکیں۔ آپ تیر چنتے، انہیں اکٹھے کرتے اور تیزی سے اپنے چچا کو پہنچاتے۔ جب چچا کا ترکش تیروں سے بھر جاتا تو آپ دوبارہ دوڑتے ہوئے واپس جاتے معرکے میں مصروف لوگوں کے پاس سے، اور گھوڑوں اور اونٹوں کی ٹانگوں کے نیچے سے گزر کر جاتے اور تیر تلاش کرتے رہتے۔

آپ اس دن کو یاد کرنے سے گریز کرتے اور کہتے کہ کاش اس دن کا سورج طلوع نہ

Marfat.com

ہوتا۔ اس جنگ کی وجہ یہ تھی کہ ایک شرابی نے شخص ایک سوئے آدمی کو قتل کر دیا تھا۔

اگر ہم آپؐ کے بچپن کو اس میں ہونے والے حیرت انگیز واقعات، بادل کے ٹکڑے کا آپ پر سایہ فگن رہنے اور ستاروں کے چھوٹنے سے الگ کر کے دیکھیں (جب کہ ہمیں ایسا نہیں کرنا چاہیے) تو ہمیں یہ دور قابل ذکر واقعات سے خالی محسوس ہو گا۔ بلکہ آپؐ کی یہ زندگی ایک عام بچے کی زندگی لگے گی۔ آپ نے بہت چھوٹے پیمانے پر تجارت شروع کی، جیسے آپ سے پہلے آپ کے والد نے شروع کی تھی۔ اگرچہ مجھے معلوم نہیں کہ آپ کن چیزوں کی خرید وفروخت کرتے تھے۔ فروٹ یا پالتو پرندے، نمک یا سیاہ مرچ، خوشبوئیں یا ریشم بیچتے تھے؟ تاہم اس عام سے پیشے میں بھی آپؐ کوئی عام تاجر نہیں تھے۔

تاجروں، سوداگروں، پیسے ادھار پر دینے والوں اور قسم قسم کے دکانداروں کے اندر رہ کر بھی آپ ایک خاص انداز کے تاجر تھے۔ کبھی گاہک کے ساتھ دھوکہ نہ کیا، کوئی چیز چمکیلی بنا کر نہیں بیچی، اس میں کوئی عیب ہوتا تو خریدار کو صاف صاف بتا دیتے۔

شہر میں آپ ایک سچے اور دیانتدار تاجر کی حیثیت سے مشہور ہو گئے یہاں تک کہ آپ سے تین گنا زائد عمر کے تاجر بھی آپس کے جھگڑوں میں آپؐ سے منصفی کراتے تھے۔ آپؐ کے بعض فیصلوں سے حضرت سلیمانؑ کی یاد تازہ ہو جاتی تھی۔ اس وقت کو ذہن میں لائیے جب دیوار کعبہ کی مرمت کی جا رہی تھی اور اس میں حجر اسود (جو حضرت جبرائیل نے حضرت ابراہیمؑ کو دیا تھا) نصب کرنے کا معاملہ درپیش تھا۔ یہ مسئلہ اتنا سادہ نہیں تھا کہ وہ اسے اٹھا کر طاقچے میں رکھ دیتے اور ہر کوئی خوش ہو جاتا۔ اس وقت چار گروہ تھے، جن میں سے ہر ایک اس متبرک پتھر کو وہاں رکھنے کا اعزاز حاصل کرنے کا متمنی تھا۔ سر پھٹول کی نوبت آ رہی تھی نوجوان لوگ تلواریں لانے کے لیے گھر کی طرف دوڑ رہے تھے کوئی قبیلہ ہار ماننے کو تیار نہیں تھا، جو کوئی بھی اپنے آپ کو حجر اسود کی طرف بڑھاتا، دوسرے تین قبیلے اس کے ہاتھ کاٹ دیتے۔

اس پر سب کو حضرت محمدؐ یاد آئے، کہ اس مشکل کا حل وہ پیش کریں، آپ کو بلایا گیا تو آپ نے اس کا ایسا حل نکالا کہ سب عش عش کر اٹھے۔ آپ نے اپنی چادر اتار کر زمین پر بچھائی اور حجر اسود کو اٹھا کر اس کے وسط میں رکھ دیا اور چاروں قبیلوں کے سرداروں سے کہا کہ وہ

Marfat.com

چادر کا ایک ایک کونہ پکڑ کر چادر کو اوپر اٹھائیں، جب حجر اسود طاقچے کے قریب پہنچا تو آپ نے اسے اپنے دستِ مبارک سے اٹھا کر مقررہ جگہ پر رکھ دیا۔ یوں خون ریزی کی نوبت بھی نہ آئی اور حجر اسود کو اٹھانے کی سعادت سے بھی کوئی محروم نہ رہا۔ جب کہ چادر پر اسے رکھنے اور طاقچے میں نصب کرنے کی دوگنا سعادت ایسے طریقے سے آپؐ کے حصے میں آئی کہ کسی کے لیے اعتراض کی گنجائش نہیں تھی۔

Marfat.com

آپؐ کی پہلی شادی

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اوّلین شادی حضرت خدیجہؓ سے ہوئی تھی۔ قرآن مجید کی سورۃ 93 کا بغور مطالعہ کیا جائے تو وثوق سے کہا جا سکتا ہے کہ ان کا آپؐ سے نکاح آسمان پر ہوا تھا۔

میں نے خدیجہؓ کا نام پہلی بار اس وقت سنا جب میری ماں اپنی حالتِ غلامی میں شہد لگی روٹی کے لقمے میرے منہ میں ڈال رہی تھی۔ شاید میں اس وقت پانچ برس کا تھا۔ ماں نے بتایا کہ یہ شہد لگی روٹی خدیجہؓ کے گھر سے آئی ہے۔ چنانچہ ان کا نام مجھے ہمیشہ مٹھاس کا احساس دلاتا ہے۔ کیونکہ خدیجہ ایک سراپا شفقت تھیں۔ ان کے ہاں دو دروازے تھے ایک سامنے والا اور دوسرا عقب کی جانب کھلنے والا تھا۔ ضرورت منداور محتاج لوگ جس دروازے سے چاہتے تھے آ سکتے تھے۔ وہ فیاضوں سے بڑھ کر فیاض تھیں۔ اس لحاظ سے وہ اپنی مثال آپ تھیں۔ شاید ہی کسی خاتون میں ان جیسی صفات پائی جاتی تھیں۔ دولتمند ہونے کے باوجود وہ غریب عورتوں کی محرومی کو اپنے اندر محسوس کر لیتی تھیں۔

پیغمبرؐ کی طرف سے عورتوں کو حقوق دینے کے اعلان سے قبل کی دنیا میں مکّہ عدم مساواتِ مرد وزن کے حوالے سے ایک بدنام اور شرمناک شہر تھا۔ چند ایک عورتیں خوشحال اور دولت مند تھیں جن میں ہند (ہندہ) اور خدیجہ خاص طور پر قابل ذکر تھیں لیکن ان کی اکثریت انتہائی غربت اور عسرت کی زندگی بسر کر رہی تھی۔ یہ مردوں کے لیے مال مویشی، منقولہ جائیداد اور سامانِ جنسی تسکین سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتی تھیں۔ غترہ کی طرح صرف چند ایک گنے چنے شعرا ہی تھے جو عورت کو محبت کا عنوان سمجھتے تھے۔ جنہوں نے عورت کے حسن اور نزاکت کے

Marfat.com

اشعار کہے تھے اور عورت کو اس کی اہمیت کا بھی احساس دلایا تھا۔ ان شعرا کے مرکھپ جانے کے بعد نہ کوئی ان کا قدر دان رہا اور نہ کوئی ان پر ہونے والے مظالم کا تذکرہ کر سکتا تھا۔

یہ ایک بہت بڑا معمہ تھا۔ مکہ میں کہیں تو عورت کی پرستش ہوتی تھی، اسے کعبہ میں رکھے گئے بتوں میں شامل کر لیا گیا جیسے العزیٰ، المناۃ اور اللات۔ کل 360 بت ہوا کرتے تھے جن میں یہ تین ''بزرگ'' عورتوں کے اور باقی سب ''بزرگ'' مردوں کے بت تھے۔ العزیٰ، المناۃ اور اللات نے بھی اپنی بہنوں کو انصاف نہ دلایا لیکن مردوں پر مہربان رہیں۔

میں یہ اس لیے کہہ رہا ہوں کہ یہ بات سمجھ میں آسکے کہ اللہ تعالیٰ نے محمدؐ کو خدیجہ جیسی بیوی دے کر اپنے حبیب کو بہت بڑا تحفہ عنایت کیا تھا، ان کا باہمی رشتہ شاندار برگ و بار لاتا رہا، اگرچہ اس کا آغاز غیر معمولی صورت میں ہوا تھا۔ خدیجہ نے آپؐ کو ملازمت فراہم کی اور اپنے تجارتی قافلے کا سالار بنا کر شام بھیجا۔ اس وقت آپ 24 برس کے تھے جب کہ خدیجہ اپنی زندگی کی 39 بہاریں دیکھ چکی تھیں۔ آپؐ خدیجہ کے مال و اسباب سے لدے اونٹوں کو لے کر شمال کی طرف روانہ ہوئے۔ اس سفر کے دوران کئی ایک چھوٹے بڑے معجزات کا تذکرہ ملتا ہے۔ مثلاً آپؐ نے دو مرتے ہوئے اونٹوں کو خدا سے دوبارہ زندگی دلوائی۔ اگر وہ راستے ہی میں مر جاتے تو ان کا لایا ہوا سامان راستے ہی میں ڈھیر ہو جاتا، اور آپ پر ان کی صحت کی دیکھ بھال میں کوتاہی کا الزام آجاتا۔ بہر حال ایسے معجزات کا تذکرہ کرنے والے، سب سے بڑے معجزے کو نظر انداز کر دیتے ہیں جو کہ انسان اور اس کی فطرت کے حوالہ سے ہے۔

اس قافلے پر غور کیجیے، صحرائی شب میں آہستگی سے دھم دھم کرتے ہوئے اونٹوں کا قدم بڑھانا اور راستہ طے کرتا ہوا ان کا ہر گام اس جانور اور انسان کی ایک ہی منزل کا پتہ دیتا ہے، دونوں ایک مقصد کے لیے آگے بڑھ رہے ہیں تا کہ جلدی جلدی منزل پر پہنچیں۔ دونوں ایک ہی زمین پر قدم زن ہیں۔ لیکن انسان کے پاس ایک ذہن ہے جس میں یہ سودا سمایا ہوا ہے کہ اس کی اصل منزل جنت ہے۔

انسان کا جنت پانے کے لیے آسمان کی طرف کیا ہوا رخ سب سے بڑا معجزہ ہے، صفحہ کتاب پر دوسرے معجزے بھی یقیناً لکھے ہوئے ہیں، مگر جنت ابن کی منزل بن جانا سب سے بڑی بات ہے۔

Marfat.com

یہاں پہنچنے کے بعد روح کی زندگی کا آغاز ہو جاتا ہے۔ جب شعلے اوپر کو جانے لگتے ہیں تو خدا بہت سے پُر اسرار طریقوں سے کام کرتا ہے۔ مگر میرا ایمان ہے کہ وہ سب سے بڑا معجزہ خود انسان کے اندر کی دنیا میں صادر کرتا ہے۔ اسی لیے ہمیں اس قافلے پر غور کرنا چاہیے۔

جب آپؐ دمشق پہنچے تو آپ نے پیاسے ساربانوں کے ہمراہ شہر کی روایتی شراب کی بھٹیوں کا رُخ کرنے سے انکار کر دیا اور اپنے مال و اسباب اور ماتحتوں سمیت مضافاتی علاقے میں ہی ٹھہرنا پسند کیا، شاید آپ کا خیال یہ تھا، کہ کھلے سمندر میں ڈوبنے والوں کی بہ نسبت بندرگاہوں میں ڈوبنے والے ملاحوں کی تعداد زیادہ ہوتی ہے۔ آپؐ نے اپنی آجر کی خدمت جملہ ہوش و حواس سے کی اور اتنا منافع کما کر واپس آئے جو اس کی توقع سے کہیں زیادہ تھا۔ خدیجہؓ ان کے تجارتی سفروں سے واپسی پر ان دوروں کے حالات ہمہ تن توجہ اور انہماک سے سنتی تھی، اور آپ حساب و کتاب پیش کرتے تو وہ منافع سے زیادہ کئی دوسری باتوں کا جائزہ لیتی رہتی۔

اس بار کے سفر شام سے واپسی پر وہ آپ کو اپنے مستقبل کے شوہر کی نظر سے دیکھ رہی تھی۔ جب آپ روئیداد سفر سنا کر چلے گئے تو اس نے ایک معاملہ فہم خاتون کو راز دار بنا کر آپ کے پاس بھیجا۔ اس خاتون کا نام نفیسہ تھا، اسے کہا گیا کہ وہ اس بات کا جائزہ لے کہ کیا آپؐ شادی کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں؟ جب اس نے جھجکتے ہوئے یہ بات پوچھ ہی لی تو آپ نے جواب دیا کہ ''میرے پاس ہے ہی کیا کہ میں شادی کے بارے میں سوچنے لگوں۔'' مگر نفیسہ کو اندازہ ہو گیا کہ غربت کا احساس شادی کی راہ میں رکاوٹ بن سکتا ہے تو وہ بولی ''لیکن فرض کرو کہ خاتون ایسی ہو جس کے پاس اتنا کچھ ہو کہ دونوں کے لیے وافر مقدار میں ہو تو پھر؟

تب وہ مزید قریب ہو کر بیٹھ گئی اور سرگوشی کے انداز میں پوچھا، ''فرض کیجیے آپ کو ایک حسین دولتمند باوقار اور شریف خاندان سے تعلق رکھنے والی کسی خاتون کی طرف سے شادی کی دعوت ملے، تو کیا آپ قبول کرلیں گے؟''

آپ محتاط ہو کر بیٹھ گئے اور کہا ''اس کا انحصار اس خاتون پر ہے''

Marfat.com

''صاف ظاہر ہے'' وہ بولی اور وہ خاتون کون ہوگی؟'' آپؐ نے پوچھا۔ جواب ملا ''خدیجہ''

محمدؐ خوشی سے کھل اٹھے اور کہا ''تو پھر مجھے کیا کرنا ہوگا؟'' ساتھ ہی آپ وفور اشتیاق سے اٹھ کھڑے ہوئے۔

نفیسہ نے آپ کو کھینچ کر دوبارہ بٹھا لیا۔ ''باقی سب آپ مجھ پر چھوڑ دیں'' مگر آپ پھر کھڑے ہوگئے، ''نہیں، نہیں مجھے خود اس کے پاس جا کر اسے بتانا ہے کہ میں نے اسے اسی وقت پسند کر لیا تھا جب اس سے میری پہلی ملاقات ہوئی تھی مگر میں یہ الفاظ زبان پر لانے کی جرأت نہ کر سکا تھا۔''

نفیسہ ہنستی ہوئی اس نوجوان سردار قافلہ کے پیچھے پیچھے چل پڑی۔ خدیجہ اس وقت تقریباً چالیس برس کی تھیں اور دو بار بیوہ ہو چکی تھیں۔ جب کہ آپؐ 25 سال کے تھے۔ میں نے سنا کہ یہاں دمشق میں بعض نک چڑھے لوگ کہتے تھے کہ اس میں آپ خسارے میں رہے زیادہ فائدہ خدیجہ کو ہوا۔ مگر انہیں کچھ بھی معلوم نہیں۔

یہ شادی اتنی کامل اور بابرکت تھی، یہ نفیسہ نے تجویز نہیں کی بلکہ فرشتے نے تجویز کی تھا۔ اس شادی خانہ آبادی نے آپؐ کے مشن کا پہلا قدم آگے بڑھوا دیا۔ خدیجہؓ نے آپ کو فکرِ معاش سے آزاد کر دیا اور آپ کو سخت روحانی مشقتوں، تنہائی کی آزمائشوں، مراقبوں، شبہات اور عدم تیقن کی منازل طے کرنے کا موقع دے دیا جو کہ آپ کی تعلیم حصہ تھے۔ خدیجہ مایوسیوں میں آپ کو سہارا دیتی تھیں۔ ایک دفعہ میں نے آپ کو یہ کہتے ہوئے سُنا ''جب لوگ مجھے کاذب کہتے تھے، یہ واحد انسان تھی جو تسلی دیتی تھی کہ، نہیں نہیں، آپ صادق ہیں۔'' وہ سب مردوں اور عورتوں سے پہلے ایمان لائیں۔ تاہم مکہ میں آپ کی شادی کے مخالفین کی نظر میں اس شادی میں ایک خامی تھی وہ یہ کہ حضرت خدیجہ سے آپ کی کوئی اولاد نرینہ پیدا نہ ہو سکی۔ اس کی تلافی کے طور پر اللہ تعالیٰ نے آپ کو چار صاحبزادیوں سے نوازا جن میں ایک حضرت فاطمہ تھیں۔ گویا یہ اللہ کا فیصلہ تھا کہ اس کے نبی کو کیسی اولاد کی ضرورت ہے۔

Marfat.com

پہلی وحی کا نزول

اب میں جو کچھ بیان کر رہا ہوں بالکل مستند بات ہے، یہ مجھے حضرت ابو بکرؓ نے سنائی تھی جنہوں نے زیدؓ سے، زیدؓ نے علی سے اور علیؓ نے خدیجہ الکبریٰ سے سنی تھی جنہوں نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لبوں سے سنی تھی جو کہ اس تجربے سے گزرے تھے۔ علاوہ ازیں اس کا ذکر سورۃ النجم (بمعنی ستارہ) میں کیا گیا ہے جس میں اس امر کی تصدیق کی گئی ہے کہ آپؐ پر وحی نازل ہوتی تھی۔ یہ قرآن مجید کی 53 ویں سورۃ ہے جس میں جبریل امین کے آپؐ پر پہلی وحی لانے کا بتایا گیا ہے۔

محمدؐ اس وقت جبل نور کے ایک غار میں محوِ ریاضت تھے۔ اس کو "غارِ حرا" کہا جاتا ہے۔ جبرائیل نے آ کر آپؐ سے کہا:

"اِقرأ" (پڑھو)

میں نے جواب دیا۔ "مَا اَنَا بِقَارِیءٍ" (میں پڑھنا نہیں جانتا)، اس نے آپ کو اپنے سینے سے لگا کر زور سے بھینچا، پھر چھوڑ کر کہا

"اِقرأ" (پڑھو)

میں نے کہا۔ "مَا اَنَا بِقَارِیءٍ" میں پڑھا ہوا نہیں ہوں............"

اس نے تیسری بار دبوچا اور کہا:

"پڑھ! اپنے اس پروردگار کے نام سے جس نے پیدا کیا۔ انسان کو لوتھڑے سے تخلیق کیا۔ پڑھ اور تیرا رب بڑا کریم ہے جس نے قلم کے ذریعے سے علم دیا۔ انسان کو وہ بات سکھائی جسے وہ نہ جانتا تھا" (سورۃ العلق 96:1-5)

Marfat.com

جبرائیل نے آپؐ کو اپنے ساتھ اتنے زور سے بھینچا تھا جیسے ہڈیاں چُور کر دی ہوں اور آپ یہ سمجھے کہ آپ کی موت واقع ہو جائے گی۔ لیکن آخری بار بھینچنے کے بعد اس نے آپؐ کو چھوڑ دیا اور غار سے چلا گیا۔ اس سے آپ کو معلوم ہو گیا کہ آپؐ کو خدا سے پیغام مل گیا ہے جو آپ کے اندر نقش ہو چکا ہے۔ لیکن آپ کو ابھی یہ معلوم نہیں تھا کہ اس کی نوعیت کیا ہے۔

ان آیات کو لے کر رسول اللہ واپس گھر پہنچے تو آپ کا دل کانپ رہا تھا۔ حضرت خدیجہ کے پاس پہنچ کر آپ نے فرمایا:

''زمّلونی، زمّلونی'' (مجھے چادر اوڑھا دو، مجھے چادر اوڑھا دو) انہوں نے چادر اوڑھا دی، یہاں تک کہ دہشت جاتی رہی۔ پھر آپ نے حضرت خدیجہ کو واقعہ سنا کر فرمایا۔

''لَقَدْ خشیتُ علیٰ نَفْسی'' (مجھے اپنی جان کا ڈر لگتا ہے)

انہوں نے کہا:

''اللہ کی قسم! ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا۔ اللہ آپ کو کبھی رسوا نہیں کرے گا۔ آپ صلہ رحمی کرتے ہیں، بے سہاروں کا بوجھ اٹھاتے ہیں، تنگدست لوگوں کی مدد کرتے ہیں مہمان کی میزبانی کرتے ہیں اور حق کے سلسلے میں پیش آنے والے مصائب میں مدد فرماتے ہیں۔''

اس کے بعد حضرت خدیجہؓ آپ کو اپنے چچا زاد بھائی ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئیں۔ وہ دورِ جاہلیت میں عیسائی ہو گئے تھے اور عبرانی لکھنا جانتے تھے، چنانچہ توفیق الٰہی کے مطابق عبرانی میں انجیل لکھتے تھے۔ اس وقت وہ بوڑھے اور نابینا ہو چکے تھے۔ حضرت خدیجہؓ نے ان سے کہا: بھائی جان! آپ اپنے بھتیجے کی بات سنیں۔

ورقہ نے کہا: ''بھتیجے! تم کیا کہتے ہو؟'' آپؐ نے جو کچھ دیکھا تھا، بیان کر دیا۔

ورقہ نے کہا: ''یہ تو وہی ناموس (وحی لانے والا فرشتہ) ہے جو موسیٰ پر نازل ہوا تھا۔ کاش! میں اس وقت جوان ہوتا۔ کاش! میں اس وقت تک زندہ رہتا جب آپ کی قوم آپ کو نکال دے گی۔''

رسول اللہؐ! نے فرمایا: تو کیا میری قوم مجھے نکال دے گی؟''

Marfat.com

ورقہ نے کہا: ''ہاں! کوئی ایسا آدمی نہیں جو تمہارے جیسا پیغام لایا مگر اس سے دشمنی نہ کی گئی ہو۔ اگر میں نے تمہارا وہ دن (اس دن تمہاری قوم تمہیں مکہ سے نکالے گی) پالیا تو تمہاری زبردست مدد کروں گا۔ اس کے بعد ورقہ جلد ہی فوت ہو گئے اور وحی رک گئی۔''

آغاز نبوت اور نزول وحی کی تاریخ

یہ نبیؐ پر پہلی وحی اترنے اور آپ کی نبوت شروع ہونے کا واقعہ ہے۔ یہ رمضان کے مہینے میں لیلۃ القدر کے اندر پیش آیا۔ اللہ تعالیٰ ارشاد ہے:

''رمضان کا مہینہ ہی (وہ مہینہ) ہے جس میں قرآن اتارا گیا۔''

نیز ارشاد ہے:

''ہم نے قرآن کو عزت والی رات میں اتارا۔''

صحیح احادیث سے یہ بھی ثابت ہے کہ یہ واقعہ رات کے پچھلے پہر سوموار کی فجر طلوع ہونے سے پہلے پیش آیا۔ چونکہ لیلۃ القدر رمضان کی آخری دس راتوں میں سے کسی طاق رات میں ہوا کرتی ہے اور اس سال سوموار 21 رمضان کو لیلۃ القدر تھی، اس لیے اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ آپ کی نبوت آپ کی پیدائش کے اکتالیسویں سال 21 رمضان سوموار کی رات شروع ہوئی، اس روز اگست کی دس تاریخ تھی اور 610 عیسوی۔ قمری حساب سے اس وقت آپؐ کی عمر چالیس سال چھ مہینے بارہ دن تھی اور شمسی حساب سے انتالیس سال تین مہینے بائیس دن، لہٰذا آپ کی بعثت چالیس سال شمسی کے سرے پر ہوئی۔

وحی کی بندش اور دوبارہ نزول

غار حرا میں پہلی وحی اتر کر بند ہو گئی تھی، یہ بندش کئی روز تک برقرار رہی۔ اس کی وجہ سے نبیؐ کو سخت رنج و ملال ہوا لیکن مصلحتِ الٰہی اسی میں تھی کیونکہ اس طرح خوف جاتا رہا، معاملے کی نوعیت کو سمجھنے کا موقع ملا اور دوبارہ وحی کی مشقت جھیلنے کے لیے صرف یہی نہیں کہ طبیعت آمادہ ہو گئی بلکہ ایک گونہ شوق و طلب بھی پیدا ہوئی اور آپؐ دوبارہ وحی آ[illegible] کا انتظار فرمانے لگے۔

ادھر گوشہ نشینی کی بقیہ مدت پوری کرنے کے لیے آپؐ ورق[illegible] پاس سے پلٹ کر

Marfat.com

جبرائیل نے آپؐ کو اپنے ساتھ اتنے زور سے بھینچا تھا جیسے ہڈیاں چُور کر دی ہوں اور آپ یہ سمجھے کہ آپ کی موت واقع ہو جائے گی۔ لیکن آخری بار بھینچنے کے بعد اس نے آپؐ کو چھوڑ دیا اور غار سے چلا گیا۔ اس سے آپ کو معلوم ہو گیا کہ آپؐ کو خدا سے پیغام مل گیا ہے جو آپ کے اندر نقش ہو چکا ہے۔ لیکن آپ کو ابھی یہ معلوم نہیں تھا کہ اس کی نوعیت کیا ہے۔

ان آیات کو لے کر رسول اللہ واپس گھر پہنچے تو آپ کا دل کانپ رہا تھا۔ حضرت خدیجہ کے پاس پہنچ کر آپ نے فرمایا:

"زَمِّلُونی، زَمِّلُونی" (مجھے چادر اوڑھا دو، مجھے چادر اوڑھا دو) انہوں نے چادر اوڑھا دی، یہاں تک کہ دہشت جاتی رہی۔ پھر آپ نے حضرت خدیجہ کو واقعہ سنا کر فرمایا۔

"لَقَدْ خَشِیتُ عَلیٰ نَفْسِی" (مجھے اپنی جان کا ڈر لگتا ہے)

انہوں نے کہا:

> "اللہ کی قسم! ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا۔ اللہ آپ کو کبھی رسوا نہیں کرے گا۔ آپ صلہ رحمی کرتے ہیں، بے سہاروں کا بوجھ اٹھاتے ہیں، تنگدست لوگوں کی مدد کرتے ہیں مہمان کی میزبانی کرتے ہیں اور حق کے سلسلے میں پیش آنے والے مصائب میں مدد فرماتے ہیں۔"

اس کے بعد حضرت خدیجہؓ آپ کو اپنے چچا زاد بھائی ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئیں۔ وہ دورِ جاہلیت میں عیسائی ہو گئے تھے اور عبرانی لکھنا جانتے تھے، چنانچہ توفیق الٰہی کے مطابق عبرانی میں انجیل لکھتے تھے۔ اس وقت وہ بوڑھے اور نابینا ہو چکے تھے۔ حضرت خدیجہؓ نے ان سے کہا: بھائی جان! آپ اپنے بھتیجے کی بات سنیں۔

ورقہ نے کہا: "بھتیجے! تم کیا کہتے ہو؟" آپؐ نے جو کچھ دیکھا تھا، بیان کر دیا۔

ورقہ نے کہا: "یہ تو وہی ناموس (وحی لانے والا فرشتہ) ہے جو موسیٰ پر نازل ہوا تھا۔ کاش! میں اس وقت جوان ہوتا۔ کاش! میں اس وقت تک زندہ رہتا جب آپ کی قوم آپ کو نکال دے گی۔"

رسول اللہؐ نے فرمایا: تو کیا میری قوم مجھے نکال دے گی؟"

Marfat.com

ورقہ نے کہا: "ہاں! کوئی ایسا آدمی نہیں جو تمہارے جیسا پیغام لایا مگر اس سے دشمنی نہ کی گئی ہو۔ اگر میں نے تمہارا وہ دن (اس دن تمہاری قوم تمہیں مکہ سے نکالے گی) پالیا تو تمہاری زبردست مدد کروں گا۔ اس کے بعد ورقہ جلد ہی فوت ہو گئے اور وحی رک گئی۔"

آغاز نبوت اور نزول وحی کی تاریخ

یہ نبیؐ پر پہلی وحی اترنے اور آپ کی نبوت شروع ہونے کا واقعہ ہے۔ یہ رمضان کے مہینے میں لیلۃ القدر کے اندر پیش آیا۔ اللہ تعالیٰ ارشاد ہے:

"رمضان کا مہینہ ہی (وہ مہینہ) ہے جس میں قرآن اتارا گیا۔"

نیز ارشاد ہے:

"ہم نے قرآن کو عزت والی رات میں اتارا۔"

صحیح احادیث سے یہ بھی ثابت ہے کہ یہ واقعہ رات کے پچھلے پہر سوموار کی فجر طلوع ہونے سے پہلے پیش آیا۔ چونکہ لیلۃ القدر رمضان کی آخری دس راتوں میں سے کسی طاق رات میں ہوا کرتی ہے اور اس سال سوموار 21 رمضان کو لیلۃ القدر تھی، اس لیے اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ آپؐ کی نبوت آپ کی پیدائش کے اکتالیسویں سال 21 رمضان سوموار کی رات شروع ہوئی، اس روز اگست کی دس تاریخ تھی اور 610 عیسوی۔ قمری حساب سے اس وقت آپؐ کی عمر چالیس سال چھ مہینے بارہ دن تھی اور شمسی حساب سے انتالیس سال تین مہینے بائیس دن، لہٰذا آپ کی بعثت چالیس سال شمسی کے سرے پر ہوئی۔

وحی کی بندش اور دوبارہ نزول

غار حرا میں پہلی وحی اتر کر بند ہو گئی تھی، یہ بندش کئی روز تک برقرار رہی۔ اس کی وجہ سے نبیؐ کو سخت رنج و ملال ہوا لیکن مصلحتِ الٰہی اسی میں تھی کیونکہ اس طرح خوف جاتا رہا، معاملے کی نوعیت کو سمجھنے کا موقع ملا اور دوبارہ وحی کی مشقت جھیلنے کے لیے صرف یہی نہیں کہ طبیعت آمادہ ہو گئی بلکہ ایک گونہ شوق و طلب بھی پیدا ہوئی اور آپؐ دوبارہ وحی آ[نے] کا انتظار فرمانے لگے۔

ادھر گوشہ نشینی کی بقیہ مدت پوری کرنے کے لیے آپؐ ورق[ہ کے] پاس سے پلٹ کر

Marfat.com

دوبارہ غارِ حرا میں تشریف لا چکے تھے، پھر جب ماہِ رمضان ختم ہو گیا اور آپ کی مدتِ اعتکاف پوری ہوگئی تو حسب عادت پہلی شوال کی صبح حرا سے اتر کر مکہ روانہ ہوئے۔ نبیؐ کا ارشاد ہے:

''میں پہاڑ سے اتر میدان میں پہنچا تو مجھے پکارا گیا۔ میں نے دائیں دیکھا تو وہاں کچھ دکھائی نہ دیا، بائیں دیکھا تو وہاں بھی کچھ دکھائی نہ دیا، پھر آگے دیکھا تو وہاں بھی کچھ نظر نہ آیا، پھر پیچھے دیکھا تو وہاں بھی کچھ نظر نہ آیا۔ اس کے بعد میں نے سر اوپر اٹھایا تو کیا دیکھتا ہوں کہ جو فرشتہ حرا میں میرے پاس آیا تھا وہی آسمان و زمین کے درمیان کرسی پر بیٹھا ہوا ہے۔ یہ دیکھ کر میرا پورا وجود اس کے رعب سے بھر گیا، یہاں تک کہ میں زمین کی طرف جا جھکا، پھر میں خدیجہ کے پاس آیا اور کہا: مجھے چادر اوڑھا دو، مجھے چادر اوڑھا دو، مجھ پر کمبل ڈال دو اور ٹھنڈے پانی کے چھینٹے مارو''! انہوں نے کمبل اوڑھا دیا اور ٹھنڈے پانی کے چھینٹے مارے، پھر یہ آیتیں نازل ہوئیں:

''اے کمبل پوش! اٹھ اور (لوگوں کو ان کی بدعملی کے نتائج سے)
ڈرا اور اپنے رب کی بڑائی بیان کر اور اپنے کپڑے پاک رکھ اور
گندگی سے الگ تھلگ رہ۔''

یہ واقعہ نماز فرض ہونے سے پہلے کا ہے۔ اس کے بعد وحی میں تیزی آ گئی، چنانچہ پے در پے وحی آنے لگی۔ ان آیات سے آپ کی رسالت شروع ہوئی، آپ کی یہ رسالت آپ کی نبوت کے اتنے دنوں بعد شروع ہوئی جتنے دنوں وحی بند رہی تھی۔ ان آیات میں آپ کو دو طرح کے کام سونپے گئے اور دونوں کے نتائج بھی بتا دیئے گئے۔

ایک کام یہ ہے کہ آپ لوگوں کو اللہ کے حکم بتائیں اور بدعملی کے نتائج سے ڈرائیں۔ آپ کو یہ حکم (قُمْ فَأَنْذِرْ) ''اٹھ اور ڈرا'' کے ذریعے دیا گیا ہے کیونکہ اس کے معنی یہ ہیں کہ آپ لوگوں کو یہ بتا اور سمجھا دیں کہ وہ جس طرح کی گمراہی اور وبدعملی میں مبتلا ہیں اور غیر اللہ کی پوجا اور اللہ کی بعض صفات و افعال اور حقوق میں دوسروں کو شریک ٹھہرانے کا جو کام کر رہے ہیں، اللہ تعالیٰ اس پر ان کو عذاب دے گا۔

دوسرا کام یہ ہے کہ آپ خود اپنے اوپر اللہ کے احکام کو لاگو کریں تاکہ آپ کو اللہ کی خوشنودی بھی حاصل ہو اور آپ دوسروں کے لیے نمونہ بھی ٹھہریں۔ یہ حکم بقیہ آیات میں دیا گیا ہے۔

Marfat.com

- چنانچہ (وَرَبَّکَ فَکَبِّر) کا مطلب یہ ہے کہ آپ بڑائی اور کبریائی کے لیے اللہ ہی کو خاص کرلیں۔ اس میں کسی اور اس کے شریک نہ کریں۔
- اور (وَثِیَابَکَ فَطَھِّر) کے بظاہر معنی یہ ہیں کہ کپڑے اور جسم پاک رکھیں کیونکہ اللہ کے سامنے نجاست اور گندگی کے ساتھ کھڑے ہونا ٹھیک نہیں ان کے معنی یہ ہیں کہ اپنی روح کو پاک اور منزّہ رکھیں۔
- اور (وَالرُّجزَ فَاھجُر) کے معنی یہ ہیں کہ اللہ کی ناراضی وعذاب کے اسباب سے اور قوم کی بداعمالیوں، گندگیوں اور آلودگیوں سے الگ ہوجائیں۔
- اور (وَلَا تَمنُن تَستَکثِر) ''زیادہ چاہنے کے لیے احسان نہ کر'' کا مطلب یہ ہے کہ اس دنیا میں احسان کے بدلے کی خواہش اور امید نہ رکھیں بلکہ یہ سمجھ لیں کہ یہ مشکلات اور آزمائشوں کا راستہ ہے، لہٰذا اپنی قوم کا دین چھوڑنے اور ایک اللہ کی طرف بلانے پر تکالیف اور دشواریاں سہنے کے لیے تیار رہیں۔
- اور (وَلِرَبِّکَ فَاصبِر) ''اپنے رب کے لیے صبر کر۔''

تبلیغ کا آغاز

ان آیات کے اترنے کے بعد میرے آقاؐ دعوت وتبلیغ کے کام میں لگ گئے۔ چونکہ آپ کی قوم اکھڑ اور اور بُت پرست تھی، باپ دادا سے جو کچھ ہوتا آیا تھا اسی کو حق سمجھتی تھی، اس میں اکڑ اور تکبر بھی بہت تھا، نیز وہ اپنے معاملات کے فیصلے تلوار سے کیا کرتی تھی، اس لیے اللہ نے آپؐ کے لیے یہ راستہ چنا کہ تبلیغ کا کام خاموشی اور راز داری سے کریں اور صرف اسی کو مخاطب کریں جو بھلا، حق پسند اور قابلِ اطمینان ہو اور ان میں بھی سب سے پہلے اپنے گھر، کنبے، قبیلے اور دوست احباب کو دعوت دیں۔

پہلے پہل ایمان لانے والے

نبیؐ نے دعوت وتبلیغ شروع کی تو کئی خوش قسمت لوگوں نے اسے لپک کر قبول کیا اور آپ پر ایمان لے آئے۔

ان میں سب سے پہلا نام حضرت خدیجہؓ کا ہے۔ وہ آپ کی بیوی ہونے کی وجہ سے

Marfat.com

آپ کے بلند اخلاق اور اعلیٰ کردار کو سب سے اچھی طرح جانتی تھیں۔ اُنہیں یہ بھی پتہ تھا کہ ایک آخری نبی کی آمد ابھی باقی ہے۔ وہ آپ کے تعلق سے کچھ معجزانہ حالات و واقعات بھی سن چکی تھیں اور آپؐ میں نبوت و رسالت کی جھلک بھی دیکھ چکی تھیں۔ ان سب پر مستزاد یہ کہ ورقہ جیسے صاحبِ علم و بصیرت نے بتایا تھا کہ حرا میں جو فرشتہ آپ کے پاس آیا تھا، وہ حضرت جبریلؑ تھے اور جو کچھ لائے تھے، وہ وحی الٰہی تھی اور سب سے آخری بات یہ کہ سورۂ مدثر کی ابتدائی آیات جب اتر رہی تھیں تو حضرت خدیجہؓ نفسِ نفیس وہاں موجود تھیں، اس لیے یہ بالکل فطری بات تھی کہ وہ سب سے پہلے ایمان لاتیں۔

اِدھر ان آیات کے اترتے ہی نبیؐ اپنے جگری دوست ابو بکر کے پاس گئے اور اُنہیں اپنی نبوت و رسالت سے آگاہ کرتے ہوئے ایمان لانے کی دعوت دی۔ انہوں نے بے کھٹکے ایمان قبول کیا اور فوراً تصدیق کرتے ہوئے حق کی شہادت ہوئی، چنانچہ وہ اس امت کے سب سے پہلے مومن ہیں۔ وہ آپ سے دو سال چھوٹے تھے اور آپ کا کھلا چھپا سب کچھ جانتے تھے، لہٰذا ان کا ایمان لانا آپؐ کی سچائی کا بہترین ثبوت ہے۔

پہلے پہل ایمان لانے والوں میں حضرت علیؓ بھی شامل ہیں۔ وہ نبیؐ کے زیر کفالت تھے۔ آپ ہی کے پاس رہتے تھے اور آپ ہی ان کے کھانے پینے کا بندوبست اور ان کی دیکھ بھال کرتے تھے کیونکہ قریشؓ قحط سالی سے دوچار تھے اور ابو طالب کے پاس مال کم اور اولاد زیادہ تھی، لہٰذا ان کے بیٹے جعفر کو حضرت عباس پال رہے تھے اور حضرت علیؓ کو نبیؐ نے پالا تھا۔ وہ آپ کے بچوں کی طرح آپ کے ہاں رہتے تھے، لہٰذا جب آپؐ نے ان کو اسلام کی دعوت دی تو وہ مسلمان ہو گئے اور وہ بچوں میں سب سے پہلے مومن تھے۔

اسی طرح پہلے پہل ایمان لانے والوں میں رسول اللہؐ کے آزاد کردہ غلام حضرت زید بن حارثہ بن شراحیل کلبی تھے۔ یہ دورِ جاہلیت میں گرفتار کر کے بیچ دیئے گئے تھے، اُنہیں حکیم بن حزام نے خرید کر اپنی پھوپھی حضرت خدیجہؓ کو دے دیا تھا اور حضرت خدیجہ نے انہیں رسول اللہؐ کے حوالے کر دیا تھا۔ جب ان کے والد اور چچا کو ان کی موجودگی کا علم ہوا تو وہ رسول اللہؐ کے پاس حاضر ہوئے اور عرض کی کہ فدیہ لے کر چھوڑ دیں اور فدیہ لینے میں بھی احسان فرمائیں۔ آپ نے زید کو بلایا اور اختیار دیا کہ چاہے آپ کے پاس رہیں، چاہے والد اور چچا

Marfat.com

کے ساتھ چلے جائیں۔ انہوں نے آپ کے ساتھ رہنا پسند کیا۔ آپ نے اسی وقت قریش کے مجمع میں جا کر اعلان فرمایا:

"گواہ رہو آج سے زید میرا بیٹا ہے۔ وہ میرا وارث اور میں اس کا وارث رہوں گا۔"

اور اسی دن سے ان کو "زید محمد" کہا جانے لگا۔ والد اور چچا یہ منظر دیکھ کر بخوشی واپس چلے گئے۔

نوٹ: یہ سارا واقعہ نبوت سے پہلے کا ہے، اسلام آیا تو اس نے منہ بولے بیٹے کا رواج ختم کر دیا اور حضرت زید کو زید بن حارثہ کہا جانے لگا۔

Marfat.com

نزول وحی کا زمانہ

ممکن ہے کہ آپ لوگ ہماری زندگیوں پر رشک کر رہے ہوں کہ ہم نے اسلام کے صدرِ اول کا زمانہ پایا اور اندھیروں میں روشنی کی کرنیں پھوٹنے کے مناظر کو بچشم خود دیکھا۔ مگر میں آپ سے یہ درخواست بھی کرتا ہوں کہ آپ ہمیں بعض پہلوؤں سے قابلِ رحم بھی سمجھیں۔ ہمیں اس لحاظ سے قابل رحم سمجھئے کہ ہم پر ہمیشہ یہ خوف طاری رہتا تھا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ ہمیں جو علم حاصل ہو رہا ہے کیا ہم اس کی قدر کر سکیں گے۔ یہ علم نوحؑ پر ظاہر ہوا تو وہ بھی خوفزدہ ہو کر چُپ ہو گئے تھے۔ ہم محدود وسائل رکھنے والے اور کم تعلیم یافتہ لوگ تھے۔ ہم میں کوئی بھی ایسا نہ تھا جو نظم وترتیب کا شعور رکھتا، چہ جائیکہ ہم ظاہر ہونے والی روحانی صداقتوں کو کسی نظم یا تربیت کے ساتھ محفوظ کر سکتے۔ آج کا نوجوان ہر چیز کا شعور رکھتا ہے۔ حتیٰ کہ میں اپنے بچےؑ کو بھی زاویئے اور مثلثیں بناتے پاتا ہوں۔ وہ اونٹ پر لادنے جتنے مال واسباب کو بھی اپنے چھوٹے سے سر میں سمیٹ لیتا ہے مگر ہمارے پاس ابتداء میں چند شروع کے زمانے کی چھوٹی چھوٹی شمعیں تھیں۔ یہ چند ایک آیات تھیں۔

"قُل هُوَ اللّٰهُ اَحَد............"

(کہو اللہ ایک ہے

وہ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔

وہ سب سے بے نیاز ہے

نہ اس کی اولاد ہے

اور نہ کوئی اس کا ہمسر ہے)

Marfat.com

میں نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو کئی بار ایسی حالت میں دیکھا جب آپؐ پر وحی کا نزول ہو رہا تھا۔ آپ پر اچانک لرزہ طاری ہونے لگتا اور آپ ادھر ادھر جگہ یا کونہ تلاش کرنے لگتے جہاں آپ چھپ جائیں۔ میں نے انتہائی ٹھنڈی راتوں میں آپ کے چہرہ انور پر پسینے کے قطرے دیکھے۔ میں نے آپ کے پہلوؤں کو مبتلائے درد پایا، آپ پر کپکپاہٹ طاری تھی آپ اپنے ہاتھ پہلوؤں پر رکھ کر خود پر قابو پانے کی کوشش فرما رہے تھے۔ آپ کافی دیر تک اس طرح پڑے رہتے کہ کہا ہوا کوئی بھی لفظ، آپ کے کانوں میں رسائی نہیں پاتا تھا۔ ایسا کیوں تھا؟ اس لیے تھا کہ جس ہستی سے فرشتے کچھ کہہ رہے ہوتے ہیں اس دورانیے میں انسانوں کی بات اس کے کانوں میں کیسے جگہ پاتی؟

آپؐ کو پیشگی معلوم نہیں ہوتا تھا کہ وحی کب آئے گی۔ ایسا بھی ہوا کہ وحی اس وقت آئی جب آپ کسی سے گفتگو کر رہے تھے، یا کسی کے گھر جا رہے تھے، یا اپنے اونٹ پر سواری کر رہے تھے۔ اس وقت آپ رک جاتے، باتیں کرتے کرتے خاموش ہو جاتے، چلتے چلتے ٹھہر جاتے اور اونٹ سے بعجلت اتر جاتے اور خود کو کمبل سے ڈھانپ کر ایک خاص کیفیت میں چلے جاتے۔ شروع شروع میں بعض اوقات آپ اپنے کانوں میں گھنٹیاں بجتی سنتے، یا پروں کی پھڑپھڑاہٹ محسوس کرتے اور زیادہ تر زنجیروں کو ہلائے جانے کی آہٹ پاتے۔ اکثر فرشتہ انسانی شکل میں آ کر آپ سے مخاطب ہوتا مگر اس وقت ہم چند قدموں کے فاصلے پر ہونے کے باوجود اس کی بات نہ سن سکتے، اور وہ ہمیں دکھائی بھی نہیں دیتا تھا۔

خدا کی طرف سے اپنے رسول کو دی گئی وحی ان الفاظ میں نہیں ہوتی تھی جو ہم آپس کی گفتگو میں استعمال کرتے ہیں۔ خدا نے ہمارے منہ کی ساخت ہمارے سروں کے حساب سے بنائی ہے۔ خدا اپنا پیغام محمدؐ کے سینے پر پیوست کر دیتا تھا۔ آپؐ اس کیفیتِ جذب سے باہر نکلنے کے بعد واپس آ کر اس پیغام کو ہماری فہم کے مطابق ہمیں معلوم لفظوں میں بتا دیتے تھے۔ لیکن آپ کے بیان میں کوئی کلمہ، کوئی اسم یا کوئی فعل بے جا نہیں ہوتا تھا۔ پھر اس کلام کو چمڑے یا چھال یا بھیڑ کے شانے کی چوڑی ہڈی میں سے جو بھی دستیاب ہوتا تھا، اس پر لکھ دیا جاتا تھا۔ یہ من وعن اسی طرح لکھا جاتا تھا۔ اس میں غلطی کسی صورت راہ نہیں پا سکتی تھی۔

میں آپ کو جب کبھی کسی بشری نوعیت کے کرب میں پاتا تھا تو مجھے اعتراف کرنا پڑتا

Marfat.com

ہے کہ بعض اوقات میرا ان کے قریب جا کر غمگساری کرنے کا جذبہ دم توڑ دیتا۔ میرے قدم آگے بڑھنے سے انکار کر دیتے۔ اے خدا میں اتنی ہمت کہاں سے لاتا۔ ایک دفعہ آپ نے ہمیں ان رفیع الشان لمحات میں محسوس ہونے والی کیفیات سے مطلع بھی کر دیا تھا۔ آپ نے بتایا کہ ''میں نے کبھی وحی، اس شدید کرب کے بغیر وصول نہیں کی جس کے دوران ایسا محسوس ہوتا تھا کہ میری روح کو نوچ کر مجھ سے دور کیا جا رہا ہے۔''

وحی پر وحی آتی جا رہی تھی، حتیٰ کہ محسوس ہوا کہ آسمان پر اس معاملے میں خاصی گہما گہمی ہے، اللہ تعالیٰ اسے جلد از جلد مکمل کرنا چاہتا ہے، ہماری خوشیوں کا کوئی ٹھکانہ نہیں تھا۔ ہم جوان اور بہت جوشیلے ہوا کرتے تھے۔ ہر صبح ہم اس عزم کے ساتھ بیدار ہوا کرتے تھے آج کچھ نئی پیش رفت ہو گی۔ ہم چلچلاتی دھوپ کو بھی خاطر میں نہیں لاتے تھے، کیونکہ قرآن کسی کے لکھے بغیر ایک اعجاز ہے، یہ جلوسوں کے بغیر ایک فتح ہے اور ایک ایسی کتاب ہے جس کا کوئی مصنف نہیں۔

نبی اکرم پر وحی آنا کوئی انوکھا واقعہ نہیں تھا، قرآن مجید میں اس پر متعدد جگہوں پر صراحت کی گئی ہے۔ مثلاً سورۃ النساء کی آیت 163 میں کہا گیا ہے:

''اے محمدؐ! ہم نے تمہاری طرف اسی طرح وحی بھیجی جس طرح نوحؑ اور اس کے بعد کے پیغمبروں کی طرف بھی بھیجی تھی۔ اور ہم نے ابراہیمؑ اسماعیلؑ، اسحاقؑ، یعقوبؑ اور اولاد یعقوبؑ پر بھی وحی کی۔''

اس سے یہ بتانا مقصود ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کوئی انوکھی چیز لے کر نہیں آئے جو پہلے نہ آئی ہو۔ آپ کا یہ دعویٰ نہیں تھا کہ آپ دنیا میں پہلی مرتبہ ایک نئی چیز پیش کر رہے ہیں بلکہ دراصل آپ کو بھی اسی ایک منبعِ علم سے ہدایت ملی تھی جس سے تمام پچھلے انبیاء کو ہدایت ملتی رہی ہے، اور وہ بھی اُسی ایک صداقت و حقیقت کو پیش کر رہے تھے جسے دنیا کے مختلف گوشوں میں پیدا ہونے والے پیغمبر ہمیشہ سے پیش کرتے چلے رہے تھے۔

حضور پر قرآن بطور وحی نازل ہوا

''اور یہ قرآن میری طرف بذریعۂ وحی بھیجا گیا ہے تا کہ تمہیں

Marfat.com

اور جس جس کو یہ پہنچے سب کو متنبہ کر دوں۔''

(الانعام۔19)

''جب اُنہیں ہماری صاف صاف باتیں سنائی جاتی ہیں تو وہ لوگ جو ہم سے ملنے کی توقع نہیں رکھتے، کہتے ہیں کہ اس کے بجائے کوئی اور قرآن لاؤ یا اس میں کچھ ترمیم کرو۔ اے محمدؐ، ان سے کہو میرا یہ کام نہیں ہے کہ اپنی طرف سے اس میں کوئی تغیر و تبدل کرلُوں۔ میں تو بس اس وحی کا پیرو ہوں جو میرے پاس آتی ہے۔''

(سورۃ یونس:15)

اِس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کہنے کا حکم دیا گیا کہ میں اس کتاب کا مصنف نہیں ہوں بلکہ یہ وحی کے ذریعہ سے میرے پاس آئی ہے جس میں کسی ردّ و بدل کا مجھے اختیار نہیں، اور یہ بھی کہ اس معاملہ میں مصالحت کا قطعاً کوئی امکان نہیں ہے۔ قبول کرنا ہو تو اس پورے دین کو جُوں کا توں قبول کر و ورنہ پورے کو ردّ کر دو۔

''تو اے پیغمبر! کہیں ایسا نہ ہو کہ تم اُن چیزوں میں سے کسی چیز کو چھوڑ دو جو تمہاری طرف وحی کی جا رہی ہیں اور اس سے دل تنگ ہو۔''

(سورۃ ہود:12)

خدا نے میرے آقا پر واضح کر دیا کہ ہماری نگاہ میں قیمتی انسان وہ ہے جو نیکی کے راستے پر صبر و ثبات اور پامردی کے ساتھ چلنے والا ہو۔ لہٰذا جس تعصب سے، جس بے رُخی سے، جس تضحیک و استہزاء سے اور جن جاہلانہ اعتراضات سے تمہارا مقابلہ کیا جا رہا ہے ان کی

Marfat.com

وجہ سے تمہارے پائے ثبات میں ذرا لغزش نہ آئے پائے۔ جو صداقت تم پر بذریعہ وحی منکشف کی گئی ہے اس کے اعلان میں اور اس کی طرف دعوت دینے میں تمہیں قطعاً کوئی باک نہ ہو۔ تمہارے دل میں اس خیال کا کبھی گزر تک نہ ہو کہ فلاں بات کیسے کہوں جب کہ لوگ سنتے ہی اس کا مذاق اُڑانے لگتے ہیں اور فلاں حقیقت کا اظہار کیسے کروں جب کہ کوئی اس کو سننے تک کا روادار نہیں ہے۔ کوئی مانے یا نہ مانے، تم جسے حق پاتے ہو اسے بے کم و کاست اور بے خوف بیان کئے جاؤ آگے سب معاملات اللہ کے حوالہ ہیں۔

''اے محمدؐ! یہ غیب کی خبریں ہیں جو ہم تمہاری طرف وحی کر رہے ہیں۔ اس سے پہلے نہ تم ان کو جانتے تھے اور نہ تمہاری قوم۔''

(سورۃ ہود: 49)

''الٓرٰ۔ یہ اُس کتاب کی آیات ہیں جو اپنا مدعا صاف صاف بیان کرتی ہے۔ ہم نے اسے نازل کیا ہے قرآنِ عربی زبان میں تاکہ تم (اہل عرب) اس کو اچھی طرح سمجھ سکو۔ اے محمدؐ! ہم اس قرآن کو تمہاری طرف وحی کر کے بہترین پیرایہ میں یہ واقعات اور حقائق تم سے بیان کرتے ہیں۔''

(سورۃ یوسف: 1 - 2)

''اے محمدؐ! یہ قصہ غیب کی خبروں میں سے ہے جو ہم تم پر وحی کر رہے ہیں ورنہ تم اس وقت موجود نہ تھے جب یوسف کے بھائیوں نے آپس میں اتفاق کر کے سازش کی تھی۔''

(سورۃ یوسف: 102)

''اے محمدؐ! اسی شان سے ہم نے تم کو رسول بنا کر بھیجا ہے ایک

Marfat.com

ایسی قوم میں جس سے پہلے بہت سی قومیں گزر چکی ہیں، تاکہ تم ان لوگوں کو وہ پیغام سناؤ جو ہم نے تم پر بذریعہ وحی نازل کیا ہے، اس حال میں کہ یہ اپنے نہایت مہربان خدا کے کافر بنے ہوئے ہیں۔

(سورۃ الرعد:30)

وحی آنے کے طریقے

قرآن میں بتایا گیا ہے کہ:

''کسی بشر کا یہ مقام نہیں ہے کہ اللہ اُس سے رُوبرُو بات کرے۔ اُس کی بات یا تو وحی (اشارے) کے طور پر ہوتی ہے یا پردے کے پیچھے سے یا پھر وہ کوئی پیغام بر (فرشتہ) بھیجتا ہے۔ وہ اس کے حکم سے جو کچھ وہ چاہتا ہے وحی کرتا ہے۔ وہ برتر اور حکیم ہے۔''

(الشوریٰ:51)

یہ بات قرآن اور حدیث دونوں سے ثابت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ان تینوں طریقوں سے ہدایات دی گئی ہیں۔

1- حضرت عائشہؓ کا بیان ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی آنے کی ابتداء ہی سچے خوابوں سے ہوتی تھی۔ یہ سلسلہ بعد میں بھی جاری رہا ہے، چنانچہ احادیث میں آپ کے بہت سے خوابوں کا ذکر ملتا ہے جن میں آپ کو کوئی تعلیم دی گئی ہے، یا کسی بات پر مطلع کیا گیا ہے، اور قرآن مجید میں بھی آپ کے ایک خواب کا صراحت کے ساتھ ذکر آیا ہے (الفتح:27)۔ اس کے علاوہ متعدد احادیث میں یہ ذکر بھی آیا ہے کہ حضورؐ نے فرمایا۔ فلاں بات میرے دل میں ڈالی گئی ہے یا مجھے یہ بتایا گیا ہے، یا مجھے یہ حکم دیا گیا ہے، یا مجھے اس سے منع کیا گیا ہے۔ ایسی تمام چیزیں وحی کی پہلی قسم سے تعلق رکھتی ہیں، اور احادیثِ قدسیہ بھی زیادہ تر اسی قبیل سے ہیں۔

2- معراج کے موقع پر حضورؐ کو وحی کی دوسری قسم سے بھی مشرف فرمایا گیا۔ متعدد صحیح

Marfat.com

احادیث میں حضورؐ کو پنج وقتہ نماز کا حکم دیئے جانے، اور حضورؐ کے اُس پر بار بار عرض کرنے کا ذکر جس طرح آیا ہے اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اُس وقت اللہ اور اُس کے بندے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان ایسا ہی مکالمہ ہوا تھا جیسا دامنِ طور میں حضرت موسیٰ اور اللہ تعالیٰ کے درمیان ہوا۔

-3 تیسری قسم۔ اُس کے متعلق قرآن خود ہی شہادت دیتا ہے کہ اُسے جبریلؑ امین کے ذریعے رُسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچایا گیا۔ جیسا کہ البقرہ 97، اور الشعراء 192 تا 195 میں ارشاد ہوا ہے۔

مزید توضیح

نبی اکرمؐ پر وحی مختلف طریقوں سے آتی تھی۔

-1 سچا خواب، یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کی ابتدائی صورت تھی۔ آپ جو خواب بھی دیکھتے تھے وہ اس طرح صاف صاف آتا تھا جیسے سپیدۂ صبح۔

-2 فرشتہ آپؐ کے ذہن وقلب میں ایک بات ڈالتا تھا۔ بغیر اس کے کہ وہ آپ کو نظر آئے۔ اس کی مثال وہ حدیث ہے جس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ روح القدس (جبریلؑ) نے میرے ذہن میں یہ بات ڈالی ہے (یا پھونکی ہے) کہ کوئی متنفس ہرگز نہ مرے گا جب تک اپنے حصے کا پورا رزق نہ پالے، لہٰذا اللہ سے ڈر کر کام کرو اور طلبِ رزق کا اچھا طریقہ اختیار کرو اور رزق میں تاخیر تم کو اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ تم اسے اللہ کی نافرمانی کے ساتھ طلب کرنے لگو، کیونکہ جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہ صرف اس کی اطاعت ہی سے حاصل ہوتا ہے۔

-3 فرشتہ آپ کے سامنے بصورتِ انسان نمودار ہوکر بات کرتا تھا اور اُس وقت تک مخاطب رہتا تھا جب تک آپ اس کی بات پوری طرح ذہن نشین نہ کرلیں۔ اس صورت میں کبھی کبھی ایسا بھی ہوا ہے کہ صحابہؓ نے بھی اُس کو دیکھا ہے۔

-4 وحی سے پہلے آپؐ کے کان میں ایک گھنٹی بجنی شروع ہوتی تھی اور اس کے ساتھ پھر فرشتہ بات کرتا تھا۔ یہ وحی کی شدید ترین شکل تھی جس سے سخت جاڑے میں بھی آپؐ

Marfat.com

پسینہ پسینہ ہو جاتے تھے۔ اگر آپؐ اونٹ پر سوار ہوتے تھے تو وہ بوجھ کے مارے بیٹھ جاتا تھا۔ ایک دفعہ اس حال میں وحی آئی کہ آپ زید بن ثابتؓ کے زانو پر سر رکھے لیٹے تھے۔ اس وقت ان پر اتنا بوجھ پڑا کہ ان کی ران ٹوٹنے لگی تھی۔

5- آپؐ فرشتے کو اس کی اصلی صورت میں دیکھتے تھے جس میں اللہ نے اسے پیدا کیا ہے، پھر جو کچھ اللہ کا حکم ہوتا ہے اسے وہ آپ پر وحی کرتا تھا۔ یہ شکل دو مرتبہ پیش آئی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے سورۂ نجم میں بیان کیا ہے۔

6- براہ راست اللہ تعالیٰ نے آپؐ پر وحی کی جب کہ آپ معراج میں آسمانوں پر تھے وہاں نماز فرض کی اور دوسری باتیں ارشاد فرمائیں۔

7- اللہ تعالیٰ نے فرشتے کے توسط کے بغیر آپ سے گفتگو کی جس طرح موسیٰؑ علیہ اسلام سے کی تھی۔ حضرت موسیٰؑ کے لیے تو یہ مرتبہ قرآن سے ثابت ہے۔ رہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم، تو آپؐ کے حق میں اس کا ذکر معراج کی حدیث میں آیا ہے۔

نبوت سے پہلے کی پوری چالیس سالہ زندگی میں آپ نے کوئی ایسی تعلیم، تربیت اور صحبت نہیں پائی تھی جس سے آپ کو وہ معلومات حاصل ہوتیں جن کے چشمے یکا یک دعوائے نبوت کے ساتھ ہی آپ کی زبان سے پھوٹنے شروع ہو گئے۔ اس سے پہلے کبھی آپ اُن مسائل سے دلچسپی لیتے ہوئے، ان مباحث پر گفتگو کرتے ہوئے، اور ان خیالات کا اظہار کرتے ہوئے نہیں دیکھے گئے جو اب قرآن کی پے در پے سورتوں میں آرہے تھے۔ حد یہ ہے اس پورے چالیس سال کے دوران میں کبھی آپ کے کسی گہرے دوست اور کسی قریب ترین رشتہ دار نے بھی آپ کی حکایات وسکنات میں کوئی ایسی چیز محسوس نہیں کی جسے اس عظیم الشان دعوت کی تمہید کہا جا سکتا ہو جو آپؐ نے اچانک چالیسویں سال پہنچ کر دینی شروع کر دی۔ یہ اس بات کا صریح ثبوت تھا کہ قرآن آپؐ کے اپنے دماغ کی پیداوار نہیں ہے بلکہ خارج سے آپؐ کے اندر آئی ہوئی چیز ہے۔

> اے محمدؐ! تم اس وقت مغربی گوشے میں موجود نہ تھے جب ہم نے موسیٰؑ کو یہ فرمانِ شریعت عطا کیا، اور نہ تم شاہدین میں شامل تھے، بلکہ اس کے بعد تمہارے زمانے تک ہم بہت سی نسلیں اٹھا

Marfat.com

چکے ہیں اور ان پر بہت زمانہ گزر چکا ہے تم اہلِ مدین کے
درمیان بھی موجود نہ تھے کہ ان کو ہماری آیات سنا رہے ہوتے،
مگر (اس وقت کی یہ خبریں) بھیجنے والے ہم ہیں، اور تم طُور کے
دامن میں بھی اس وقت موجود نہ تھے جب ہم نے (موسیٰ کو پہلی
مرتبہ) پکارا تھا مگر تمہارے رب کی رحمت ہے (کہ تم کو یہ
معلومات دی جارہی ہیں) تا کہ تم ان لوگوں کو متنبہ کرو جن کے
پاس تم سے پہلے کوئی متنبہ کرنے والا نہیں آیا، شاید کہ وہ ہوش میں
آ جائیں۔

یہ تینوں باتیں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے ثبوت میں پیش کی گئی ہیں۔ جس وقت یہ باتیں کہی گئی تھیں اس وقت مکہ کے تمام سردار اور عام کفار اس بات پر پوری طرح تلے ہوئے تھے کہ کسی نہ کسی طرح آپ کو غیر نبی اور معاذ اللہ جھوٹا مدّعی ثابت کر دیں۔ ان کی مدد کے لیے یہود کے علماء اور عیسائیوں کے راہب بھی حجاز کی بستیوں میں موجود تھے۔ اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کہیں عالمِ بالا سے آ کر یہ قرآن نہیں سنا جاتے تھے، بلکہ اسی مکہ کے رہنے والے تھے اور آپؐ کی زندگی کا کوئی گوشہ آپؐ کی بستی اور آپؐ کے قبیلے کے لوگوں سے چھپا ہوا نہ تھا۔

قرآن نے حضرت زکریا اور حضرت مریم کا قصہ بیان کر کے فرمایا:

''یہ غیب کی خبروں میں سے ہے جو ہم وحی کے ذریعہ سے تمہیں
دے رہے ہیں، تم اُن لوگوں کے آس پاس کہیں موجود نہ تھے
جب کہ وہ اپنے قرعے یہ طے کرنے کے لیے پھینک رہے تھے کہ
مریم کی کفالت کون کرے۔ اور نہ تم اس وقت موجود تھے جب کہ
وہ جھگڑ رہے تھے۔

(آل عمران: 44)

حضرت یوسفؑ کا قصہ بیان کرنے کے بعد فرمایا:

''یہ غیب کی خبروں میں سے ہے جو ہم وحی کے ذریعہ سے تمہیں

Marfat.com

دے رہے ہیں، تم ان کے (یعنی یوسفؑ کے بھائیوں کے) آس
پاس کہیں موجود نہ تھے جب کہ انہوں نے اپنی تدبیر پر اتفاق کیا
اور جب کہ وہ اپنی چال چل رہے تھے۔"

(یوسف:102)

اسی طرح حضرت نوحؑ کا مفصل قصہ بیان کر کے فرمایا:
"یہ غیب کی خبروں میں سے ہے جو ہم تم پر وحی کر رہے ہیں؛
تمہیں اور تمہاری قوم کو اس سے پہلے ان کا کوئی علم نہ تھا۔"

(ھود:49)

اس چیز کی بار بار تکرار سے یہ بات صاف ظاہر ہوتی ہے کہ قرآن مجید اپنے مِنِ جانب اللہ ہونے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے رسول اللہ ہونے پر جو بڑے بڑے دلائل دیتا ہے ان میں سے ایک یہ دلیل ہے کہ سینکڑوں ہزاروں برس پہلے کے گزرے ہوئے واقعات کی جو تفصیلات ایک اُمّی کی زبان سے بیان ہو رہی ہیں اُن کے علم کا کوئی ذریعہ اُس کے پاس وحی کے سوا نہیں ہے۔ اور یہ چیز اُن اہم اسباب میں سے ایک ہے جن کی بنا پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم عصر لوگ اس بات پر یقین لاتے چلے جا رہے تھے کہ واقعی آپؐ اللہ کے نبی ہیں اور آپؐ پر وحی آتی ہے۔

Marfat.com

نفرت کا اصل سبب

اہل مکہ ہم سے کیوں نفرت کرتے تھے؟اس کا سبب تلاش کرنا بہت ضروری ہے۔ اس سبب اوراس کے نتائج سے قطعِ نظر کر کے دیکھئے تو وہ زیادہ بُرے لوگ نہیں تھے۔ وہ اپنی پرانی روایات کے حامل تھے۔اوران کی دل و جان سے حفاظت کرتے تھے۔ جن کے تحت عزت اور بے عزتی کی اقدار مقرر تھیں۔ مہمان نوازی تو ان کی گھٹی میں پڑی ہوئی تھی۔ مہمان کی وہ نہ صرف بے حد خدمت کرتے تھے بلکہ اگر کوئی دشمن بھی مہمان بن کر آ جائے تو اسے معاف کر دیتے تھے۔ ان کے دل سخت تھے مگر یہ سختی قبائلی رسم و رواج اور روایات کی سخت پاسداری اور صحرائی زندگی کی مشکلات کے تحت اختیار کردہ معمولات کا نتیجہ تھی۔ جو لوگ گدھوں کی پشت پر سواری کرتے اوران پر بھاری سامان لادتے تھے وہ ان کو نہایت ظالمانہ طور پر پیٹتے بھی تھے۔

وہ ہم سے اور ہمارے خدائے واحد سے اس لیے نفرت نہیں کرتے تھے کہ انہیں اپنے بتوں سے بہت محبت تھی۔ زمانۂ جاہلیت میں بتوں سے کوئی زیادہ محبت نہیں کی جاتی تھی، یہ دراصل ان کے وہم وگمان کی دنیا کا ایک حصہ تھے۔ یہ بتوں کواس لیے سجاتے سنوارتے اوران کے سامنے سجدہ ریز ہوتے تھے کہ یہ ایک نظامِ تبادلہ کا حصہ تھے۔ اس میں دو فریق تھے ایک فریق شیطان اور دوسرا فریق پجاری تھا۔ ایک پجاری ہُبل نامی بت سے کہتا کہ ”میں تیری پوجا کروں گا۔ قیمتی اشیاء کا چڑھاوا چڑھاؤں گا۔ تیرا عزت سے نام لوں گا، تیرے سلام کے لیے آیا کروں گا تو بس یہ کردے کہ میرا گمشدہ اونٹ واپس لادے۔“

360 بتوں میں سے چند ایک بہت مشہور تھے۔ لات، عُزیٰ، مناۃ، ودّ، سواع، یغوث،

Marfat.com

یعوق، نسر اور بعل۔ ان کے ساتھ متعدد طاقتیں اور قدرتیں منسوب تھیں، کوئی مال مویشی کی سلامتی کا خدا تھا، کوئی اولاد دیتا تھا اور کوئی دشمنوں پر برتری دلاتا تھا، جتنی انسانی ضروریات یا حاجات تھیں وہ کسی نہ کسی بُت یا ''خدا'' کے دائرۂ قدرت میں تھیں۔

لیکن میں، مسمّی بلال ایک زمانے میں مشرکین کے خداؤں کی پرستش کرتا تھا۔ مجھے ان کا محض سرسری طور پر ذکر نہیں کرنا چاہیے، اگر میں ایسا کروں گا تو جاہل کہلانے کا خطرہ مول لوں گا۔ مجھے ان خداؤں کی قوت اور کمزوری، دونوں کے بارے میں صاف صاف بات کرنی چاہیے۔ لکڑی اور پتھر کے خداؤں کے بارے میں بات کرتے ہوئے ہمیں یہ سمجھ لینا چاہیے کہ مشرکین اتنے احمق نہیں تھے کہ وہ پتھر یا لکڑی کی پوجا کرتے تھے، وہ جانتے تھے کہ پتھر کا بت گر کر ٹوٹ سکتا ہے اور لکڑی سے تراشا ہوا بُت آگ لگنے سے راکھ ہو جاتا ہے۔ مشرکین نے یہ تصور قائم کر رکھا تھا کہ ان بتوں کے اندر ایک روح ہوتی ہے جب ہم ان کے سامنے رکوع یا سجدہ کرتے ہیں تو وہ روح ہم سے خوش ہو جاتی ہے۔ ہمارے کام کرتی ہے اور ہمارے دل کی مرادیں پوری کرتی ہے۔ یہ روحیں فلاں فلاں ''بزرگ'' کی ہیں جو اپنے اندر زبردست روحانی قوت رکھتے تھے اور ان کے جسم مرجانے کے باوجود اپنے متوسلین کے کام آتی ہیں۔ مرنے کے بعد یہ خدا کے سامنے ہماری شفاعت کریں گی۔ ان میں سے بعض خداؤں کی ''رہائش'' خانہ کعبہ میں تھی۔ ہر بُت کی طاقت دوسرے بت کے قریب جا کر ختم ہو جاتی تھی، یا اگلے بت کے معبد کی حدود میں داخل ہونے سے پہلے اپنی قوت سے محروم ہو جاتی تھی۔

لیکن اس سے بھی زیادہ بے ہودہ تصور یہ تھا کہ یہ خدا اپنے پجاریوں سے بلند تر بھی ہیں اور ان سے کمتر بھی۔ رومن بھی اپنے بت پرستی کے زمانے میں یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ یہ خدا اپنے پجاریوں سے کمتر اور محتاج ہوتے ہیں۔ جب ان کا ذکر نہ کیا جائے یا ان کی عبادت چھوڑ دی جائے تو وہ مرکھپ جاتے ہیں۔ جولیس سیزر کے اپنے خدا ہوتے تھے اور آگسٹس سیزر کے بھی اپنے خدا ہوتے تھے۔ جو لباس کے اوپر پہننے والے فرغل کی تبدیلی کی طرح آتے اور جاتے رہتے تھے۔ پجاری اپنے خدا کو بناتے بھی تھے اور بگاڑتے بھی تھے۔ ان کی پوجا پاٹ

Marfat.com

کر کے، انہیں ''بنا'' سکتے تھے اور نظر انداز کر کے ان کا خاتمہ بھی کر سکتے تھے۔ بندے کو خدا سازی کے اختیارات سونپ دینا کچھ اچھی بات نہیں تھی۔

ہم سے ان کی نفرت کا ایک سبب یہ بھی تھا کہ وہ خدائے واحد کی طاقت کو سمجھنے سے قاصر تھے۔ مجھے یاد ہے کہ جب رسول اللہ نے انسان کے دوبارہ اٹھائے جانے کی تبلیغ کی اور اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش ہونے کے مناظر کا احساس دلایا، اس کا جواب دینے کے لیے ابولہب آپ کے پاس آیا۔ وہ اتنا موٹا تھا کہ اپنے جسم کو سہارنے کے قابل نہ تھا، اور خود کو سنبھالنے کے لیے کسی خادم سے مدد لیتا تھا، اس وقت اس کے ہاتھ میں انسانی بدن کی ایک بوسیدہ ہڈی تھی جسے اس نے آپؐ کے سامنے اپنی انگلیوں سے توڑا اور بولا ''تم کہتے ہو کہ اسے دوبارہ انسان بنایا جا سکتا ہے۔ پھر اس نے اسے ہتھیلی میں مسل کر سفوف بنایا اور اسے رسول اللہ کی طرف پھونک مار کر اڑایا۔ آپؐ نے اپنے ہاتھ سے اس گرد کو پیچھے دھکیلتے ہوئے اس برانگیختہ تاجر شہزادے کی طرف نظریں جما کر فرمایا:

> ''انہیں وہی زندہ کرے گا جس نے پہلے انہیں پیدا کیا اور وہ تخلیق کا ہر کام جانتا ہے'' سورۃ یٰسین 79:36

مجھے ابولہب سے ہمیشہ خوف آتا تھا اور اس وقت مجھے سب سے زیادہ ڈر لگا۔ زمین اس کے غصے کے بوجھ تلے تھرّا گئی۔ ایسا محسوس ہوتا تھا کہ اس کے مقابلے میں تو شیطان زیادہ معتدل مزاج ہے۔ وہ اس وقت یہ سمجھنے سے قاصر تھا کہ اس دنیا میں اس کے بھاری بھرکم وجود کا کم از کم ایک حصہ ضرور دوسری دنیا میں پہنچ گیا ہے۔

تاہم میری جس کسی مشرک سے بھی ملاقات ہوئی میں نے اسے غرور کی اس بے ڈھنگی منطق کے بخار میں مبتلا پایا۔ وہ جس حقیقت کو دیکھنے کے قابل نہیں تھا اسے ماننے کے لیے تیار نہیں تھا، اس کی منطق یہ تھی کہ انسان خود ہی سب کچھ ہے، اس سے آگے کچھ ہے ہی نہیں۔ اس کی اگلی دنیا بھی یہی قبرستان ہے۔ اس نے ایسی قبر میں دفن ہونا ہے جس نے کبھی نہیں کھلنا ہے۔

حتیٰ کہ قدیم روما کے شہنشاہ جولیس سیزر نے بھی اپنی فتح کا جشن مناتے ہوئے قربانی کے چبوترے پر کھڑا ہو کر یہی اعلان کیا تھا۔ ''ہر چیز موت پانے کے بعد ختم ہو جائے گی۔'' اس

Marfat.com

سوچ میں یہی مفہوم کارفرما ہے کہ انسان اپنے وجود اور عدم وجود پر خود قادر ہے۔ اس میں زندگی سے بیزاری اور خودکشی کی تحسین بھی پائی جاتی ہے۔ لیکن جہاں انسان اپنی روح کو خطرے میں ڈال سکتا ہے، اسے مسخ کر سکتا ہے اور اسے سیاہ بھی کر سکتا ہے، مگر اسے تباہ نہیں کر سکتا۔ اس میں زندگی کی خودکشی کا صرف خدشہ پایا جاتا ہے لیکن روح کا کچھ بھی نہیں بگڑ سکتا۔ ہر فرد و بشر کو اپنی ابدیّت و لافانیت کے باعث اپنے کارناموں یا کرتوتوں کا جواب دینا ہے، یہ اس کے بس میں نہیں کہ وہ آخرت کی جوابدہی سے بچنے کے لیے اپنی روح کو تباہ کر ڈالے۔ تاہم ابولہب کا خیال تھا کہ وہ بوسیدہ ہڈی کو مسل کر اور اس کے سفوف کو ہوا میں اڑا کر خدا کے فرمان کو جھوٹا ثابت کر سکتا ہے۔

لیکن ابولہب کو اس بات کا کریڈٹ ضرور ملنا چاہیے کہ اس نے اپنے غصے کے اظہار اور اس کے بجا ہونے کا ثبوت لانے کے لیے کسی پرانی قبر میں سے بوسیدہ ہڈی نکالنے کا اہتمام کیا اور اسے برادہ بنا کر اس ہستی کے سامنے پھونک مار کر ہوا میں اڑایا جو حیات بعد از ممات کا سب سے بڑا داعی تھا، لیکن افسوس کہ اسے حقیقتِ زندگی کا شعور نہ تھا۔ بے شک اس نے اپنے ہمنواؤں کے سامنے یہ مظاہرہ کر کے انہیں خوب ہنسایا اور ان سے داد پائی مگر اس نے ان کو ان کی خام خیالیوں میں پختہ تر بھی کر دیا۔

انہوں نے ہمارا جی بھر کر مذاق اڑایا، ہم پر تھوکا، ہم پر گوبر پھینکا اور اظہارِ نفرت کیا۔ ہم نے تھوک اور گوبر کو اپنے کپڑوں اور بدن سے ہٹا لیا، جو محض انسانی رال اور حیوانی فضلہ تھا، ہمیں اپنی ذات کی رسوائی کی پرواہ نہیں تھی مگر پیغمبر کے ساتھ جو سلوک کیا گیا، اس سے ہمارا دل خون خون ہو گیا۔ وہ ہستی جو محبوبِ خدا تھی اور فرشتے جن کے سامنے پر بچھاتے تھے اس کا ان بدبختوں اور ان نانہجاروں نے مذاق اڑایا جو مر کر مٹی میں ملنے والے تھے۔ ہمیں جو کچھ نظر آیا وہ یہ تھا کہ انہوں نے روشنی کے ایک مینار کا انکار کیا تھا۔ مگر آپؐ نے صبر و تحمل سے سب کچھ برداشت کیا۔ یقیناً ایک پیغمبر عزیمت اور استقامت کا ایک پہاڑ ہوتا ہے، خدا نے نبی اکرمؐ کو ایک مضبوط ڈھال عطا کی تھی، میرے پاس ایسا کوئی سامان نہیں تھا۔

ایک دن میں کوئی نصف درجن لفنگوں کے نرغے میں آ گیا، جن کا سرغنہ عکرمہ تھا۔ انہوں نے ایک دائرہ بنا رکھا تھا، یہ سب مجھے انگلیاں چبھوتے، منہ سے کچھ نہ بولتے مگر کوئی

Marfat.com

دائیں سے کوئی بائیں سے اور کوئی سامنے سے مجھے انگلیاں چبھو رہا تھا، ہر کوئی بظاہر مسکرا رہا تھا، میں ان کے اس سلوک سے سخت گھبرایا اور خوفزدہ رہا۔ اگر میں اپنے دائیں طرف مڑتا تو دوسرا بائیں طرف سے یہی حرکت کر ڈالتا۔ حتیٰ کہ میں نے خود کو لٹو کی طرح گھومتے ہوئے پایا۔ میرا اپنے آپ پر کنٹرول ختم ہو گیا جس کی وجہ سے میرا پیشاب نکل کر میری ٹانگوں سے بہنے لگا۔ ان کے ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی اور ان کی انگلیاں میرے لیے سنگینیں بنی ہوئی تھی۔ انہیں معلوم تھا کہ ایک آزاد شدہ غلام پر آزادی کی زندگی کو کس طرح اجیرن کیا جا سکتا ہے۔ میری حالت غیر ہو رہی تھی اور ان کے قہقہے بلند ہو رہے تھے۔

اب میں پیچھے مڑ کر دیکھتا ہوں تو یاد آتا ہے کہ ان لوگوں کو ہم سے دلی نفرت تھی، اس کا سبب انسانی عقل سے ماورا تھا۔ یہ ایک انتہائی ناگوار ''قانون'' ہے کہ جب بھی صداقت اپنا سر اٹھاتی ہے تو آپ دیکھیں گے کہ انسان اس کو قلم کر دینے کو دوڑتے ہیں جیسا کہ کوئی عفریت ان کی زندگی میں داخل ہو گیا ہو۔ صداقت کو ابتداً دشمن ہی سمجھا جاتا ہے اگر اس کو ختم نہ کیا جا سکے تو اس سے نفرت اور حقارت کا سلوک ہی روا رکھا جاتا ہے۔

Marfat.com

کفار کے خدشات بے جا نہ تھے

تضحیک کا سلسلہ جلد یا بدیر رکنا ہی تھا۔ ابوسفیان کوئی مسخرہ نہیں تھا۔ وہ گہری سوچ میں رہتا تھا۔ کبھی اس کی مخالفت کی شدت کم ہو جاتی اور کبھی بڑھ جاتی۔ یہ سلسلہ ایک یکسانیت اختیار کر گیا۔ وہ ابتداء ہی سے جانتا تھا کہ اسلام ایک انقلاب ہے۔ رسول اللہ علیہ وسلم ایک خدا کے تصور کی تبلیغ کر رہے تھے اور اسی طرح انسان کے بارے میں بھی ایک نیا تصور دے رہے تھے۔ اسلام مال و دولت کو خطرے میں ڈال رہا تھا خواہ یہ کم تھی یا زیادہ۔ اس پر اسلامی ٹیکس لگا دیا۔ جن لوگوں کے پاس املاک تھیں ان کو اس امر کے پابند بنا دیا گیا کہ وہ محرومانِ املاک کو اپنے حصہ دار بنائیں۔ خواہ املاک پیسوں کی صورت میں ہوں، زرعی پیداوار کی شکل میں ہوں یا زیر قبضہ اشیائی صورت میں ہوں۔ جی ہاں یہ انقلاب تھا۔ اسلام نے تاجر برداری کے اقتدار کو خطرے میں ڈال دیا خواہ یہ ذاتی اقتدار تھا یا سیاسی۔ کمزوروں کو حقوق دے دیئے گئے جب کہ قبیلوں کو بر بنائے پیدائش خصوصی حقوق دینے سے انکار کر دیا گیا۔ مسلمان خدا کے سامنے جوابدہ تھے اپنے خاندانوں کے سامنے نہیں۔ عرب ایسے مستقبل کو برداشت نہیں کر سکتے تھے۔

ابوسفیان اور دیگر بڑے بڑے لوگوں نے رسول اللہ کو اپنے موقف میں معقولیت اور حکمت سمجھانے کی بڑی کوشش کی۔ آپ کو بلند منصب، اقتدار اور حتیٰ کہ کعبے کی نذر و نیاز اور چڑھاوے میں سے بھی حصہ دینے کی پیشکش کی۔ ان کور مغزوں نے یہ سوچا ہوا تھا کہ پیغمبری زمین میں سے برآمد ہونے والی معدنیات سے خریدی جا سکتی ہے لیکن آپ نے ان پر واضح کر دیا کہ یہ بالکل ناممکن بات ہے۔ اگر تم سورج کو میری دائیں ہتھیلی اور چاند کو بائیں ہتھیلی پر بھی رکھ دو میں اس پیغام کو ترک نہیں کروں گا جو کہ خدا کا دیا ہوا پیغام ہے۔ پھر آپ نے ان کی

Marfat.com

روحوں پر ترس کھاتے ہوئے کہا کہ "اپنے بچوں کو قتل نہ کرو۔" آپ انہیں یہ پیغام دے کر وہاں سے روانہ ہو گئے۔

یہاں میں ذرا وضاحت کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ بچوں کو قتل کرنے کا مقصد کیا تھا۔ کیونکہ تیس برسوں میں محمد صلعم دنیا کو اتنی تیزی سے آگے لے گئے کہ میں بعض اوقات حیران رہ جاتا ہوں کہ ہم پھر بھی اس دنیا میں چل پھر رہے ہیں ہمیں گھما کر دور ستاروں میں نہیں پھینک دیا گیا۔

آپ نے جو کچھ کہا تھا اس کے واقعی وہی معنی تھے کہ "اپنے بچوں کو قتل مت کرو۔"

زمانہ قبل از اسلام میں صحرائے عرب میں ایک بچے کی قسمت کا تعین اس کے جنم لینے سے بھی پہلے ہو جاتا تھا۔ اگر نومولود لڑکا ہوتا تو وہ محفوظ رہتا تھا اور اس کی ولادت کا جشن منایا جاتا تھا۔ اگر وہ بیٹی ہوتی تو غیر محفوظ ہوتی اور اس کے بارے میں سرگوشیاں شروع ہو جاتیں۔ اگر خاندان میں لڑکیوں کی تعداد وافر ہوتی یا قبیلے کے خیموں میں بہت سی لڑکیاں موجود ہوتیں تو نومولود لڑکی کو زندہ دفن کر دیا جاتا تھا۔

عرب کسی جواز کے بغیر قتل جیسے بھیانک جرم کا ارتکاب نہیں کرتے تھے۔ اسی طرح بچیوں کے قتل کے لیے بھی انہوں نے کچھ جواز گھڑے ہوئے تھے جن میں سطحی سی منطق کارفرما ہوتی تھی۔ ان کا کہنا تھا کہ وہ زندگی اس لیے لیتے تھے تاکہ زندگی کو بچایا جا سکے۔ اس مسئلے کو صحرا کی اقتصادیات نے طے کر رکھا تھا۔ گھر میں ایک نئے منہ کے اضافے سے مراد ایک نئے خالی پیٹ کا اضافہ تھا۔ بیٹی پیدا ہونے کا مطلب یہ تھا کہ وہ کئی بچوں کی ماں بن جائے گی۔ ہوتے ہوتے وہ اپنے خدا کے انتخاب کو بھی بہتر بنانے لگے۔ بیٹیوں کی شرح پیدائش بیٹوں سے زیادہ تھی۔ اس لیے وہ بزعم خود اس عدم توازن کو دور کرنے کے لیے بیٹیوں قتل کرتے تھے۔ چند ایک لڑکیاں بہت خوبصورت ہوتی تھیں، اس لیے انہیں بلوغت کو پہنچنے دیتے تھے تاکہ بعد میں ان سے تلذذ حاصل کیا جا سکے۔

میں ان کی یہ دلیل سُن کر غمزدہ ہو جاتا تھا۔ ان کے نزدیک خدا کی حکمتِ تخلیق میں

Marfat.com

کوئی تقدیس نہیں تھی۔ لیکن انہیں کون ملامت کرتا؟ جب رسول اللہ سرزمین عرب میں مساوات مردوزن کی تبلیغ کر رہے تھے فرانس میں مسیحی بشپوں کی کونسل کے اجلاس ہو رہے تھے جن میں اس سوال پر بحث ہو رہی تھی کہ کیا عورت روح رکھتی ہے یا نہیں؟۔ مجھے معلوم نہیں کہ اس غوروخوض سے وہ کس نتیجے پر پہنچے تھے۔ یہاں شام میں وہاں کی باتیں تو پہنچیں مگر اس سلسلے میں کچھ معلوم نہیں ہوا۔ تاہم میں اکثر اس تضاد پر حیراں ہوتا ہوں کہ ایک طرف تو یہ مذاہب بالخصوص عیسائیت حضرت مریمؑ کی عزت وتکریم کرتی تھی کہ اس نے یسوع کو جنم دیا اور دوسری طرف وہ بنی نوع انسان کی ماں حوّا کی بے حرمتی کرتے تھے۔ انہیں سب سے زیادہ غصہ، اپنے خداؤں کے جھٹلائے جانے اور بچیوں کے قتل سے باز رہنے کی تلقین سے بھی زیادہ غصہ جس بات پر آیا تھا وہ بیویوں کی تعداد کی حد مقرر ہونے پر تھا۔ رسول اللہ کی بعثت سے پہلے مرد اپنی بے لگام شہوت رانی کے لئے جتنی بھی چاہتا بیویاں رکھ سکتا تھا، اس کی جسمانی قوت اور مالی وسائل جتنی عورتیں پالنے کے متحمل ہو سکتے تھے وہ بلا روک ٹوک پال سکتا تھا۔ بعض لوگوں کی دس دس اور بیس بیس بیویاں ہوتی تھیں جو اپنے ''بادشاہ'' کی قربت کے لئے ایک دوسری کو نوچتی رہتی تھیں۔

اسلام نے بیویوں کی زیادہ سے زیادہ حد چار مقرر کردی، اور مرد کو سب بیویوں سے یکساں سلوک کا پابند بنا دیا، اور اگر وہ انصاف کرنے سے معذور ہو تو اسے کہہ دیا گیا کہ وہ بس ایک بیوی پر ہی گزارہ کرے۔

عورتوں کو جو وقار کی زندگی ملی تو کیا انہوں نے جذبۂ تشکر کے ساتھ فوراً آگے بڑھ کر اسے قبول کیا تھا؟ نہیں نہیں مردوں کی طرح عورتوں نے بھی نئے طریقِ زندگی پر برہمی کا اظہار کیا اور پیغمبرِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم پر طنز وتشنیع کی۔ مجھے اس معاملے میں عورتوں کی سرکشی کے واقعات اب تک یاد آ رہے ہیں انہوں نے سوال اٹھایا کہ اگر کسی مرد کی چار سے زیادہ بیویاں ہیں تو وہ زائد بیویاں کہاں جائیں؟ پہلے تو مرد کے لیے یہ مشکل پیش آئے گی کہ وہ ان سے کن چار کا انتخاب کرے اور کونسی چار گھر سے نکال دیئے جانے پر راضی ہوں گی؟ فالتو قرار پانے والی عورتوں کو کون قبول کرے گا اور خوش دلی سے انہیں بیویاں بنائے گا؟ صحرا میں زیادہ بیویاں اس لیے نہیں رکھی جاتی تھیں کہ مرد اپنی جنسی فتوحات کے جذبے کی تسکین چاہتا تھا، بلکہ اس

Marfat.com

لیے بھی زیادہ عورتیں رکھنا چاہتا تھا کہ وہ اپنی سخاوت کا مظاہرہ کرنا چاہتا تھا۔ چنانچہ چار بیویوں کی حد مقرر ہونے پر پہلے پہل شدید ردِّ عمل ہوا، اسے بے مہری اور عورتوں پر ظلم قرار دیا گیا۔

محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ یہ بھی کہا کہ عورت اگرچہ مرد سے مختلف ہے مگر وہ مرد کے مساوی ہے۔ مرد اور عورت میں فرق تلاش کرنا کوئی مشکل بات نہیں ہے، دونوں میں فرق جسمانی ساخت کا ہے۔ لیکن دونوں کی جنسیت مساوی ہے، اس مساوات کو سمجھنے کے لیے غور و فکر کی ضرورت ہے۔ نبی اکرمؐ نے انسانوں کو بتایا کہ عورتیں مرد کی تکمیل کا ذریعہ ہیں، دونوں لازم و ملزوم ہیں۔ ایک کے بغیر دوسرا مکمل نہیں۔ ان میں ہر ایک دوسرے کا محافظ ہے۔ دونوں کو آخرت کی جوابدہی کے لیے اپنی اپنی تیاری کرنی ہے اور دونوں کو حصولِ جنت کے لیے یکساں طور پر اپنے اپنے فرائض انجام دینے ہیں۔

جو دنیا اب رسول اللہ سے محبت کرتی ہے وہ اُس وقت آپؐ کے سادہ سے نظریات سے نفرت کرتی تھی۔ ایک عہد کے لوگ جن نظریات کا مذاق اڑاتے تھے دوسرے عہد کے لوگ ان کی تعریف کرتے ہیں۔ پھل میٹھا ہونے سے پہلے ترش یا کڑوا بھی ہو سکتا ہے۔ ابتدا کی تلخی بعد میں شیرینی بھی بن سکتی ہے۔ تاہم ہمیں بوڑھے کتے کو سڑک پر جا کر بھونکنے کا حق ضرور دینا چاہیے۔ میں بعض اوقات حیران رہ جاتا ہوں کہ اگرچہ خدا یہ بھی جانتا ہے کہ میں زیادہ نیک ہوں یا میری بیوی زیادہ نیک ہے، اس نے دونوں کو برابر بنایا ہے۔ ہم میں سے جو بھی زیادہ نیکی کرے گا وہ خدا سے زیادہ قریب ہوگا۔ ابھی کل رات کا قصہ ہے کہ میں ایک کتاب پڑھ رہا تھا۔ میری بیوی نے پھونک مار کر چراغ بجھا دیا۔ اگر میں اپنی بیوی سے محبت نہ کرتا ہوتا تو اس گستاخی پر میں اسے تھپڑ دے مارتا۔ چنانچہ میں نے بیوی کی محبت کو ترجیح دی۔ مگر اس نے یہ حرکت اس لیے کی کہ وہ مجھے ایک برے شخص کی لکھی ہوئی کتاب پڑھنے سے باز رکھنا چاہتی تھی۔

Marfat.com

اذیّتیں اور ہجرتِ حبشہ

میں کافی بوڑھا ہو چکا ہوں اور یقیناً موت کے قریب پہنچ چکا ہوں۔ ظلم کو برداشت کرتے کرتے اور اپنے گردو پیش میں مختلف قسم کے مظالم دیکھتے دیکھتے میرا پیمانہ صبر لبریز ہو رہا تھا۔ اکثر دعا کے لیے ہاتھ اٹھتے تھے، اس لیے کہ رسول اللہ نے ہمیں یہ تعلیم دی تھی کہ اللہ تعالیٰ دعائیں سنتا ہے اور وہ جانتا ہے کہ ان دعاؤں کے کیا معنی ہیں اور میرا بندہ مجھ سے کیا چاہتا ہے۔ میری دعا یوں تھی:

> ''اے خدا اس اذیت دہندہ کے لیے ایسے حالات پیدا کر کہ وہ جس بدن کو تکلیف دے رہا ہے وہ اس کو اپنا بدن سمجھے۔ اسے صرف اتنی بصیرت دے کیونکہ وہ اس سے زیادہ بصیرت پانے کا مستحق نہیں ہے۔''
>
> ''اے خدا جلاد کو اس کی گردن سے محروم نہ کرنا۔ یا منصف کو انصاف سے محروم نہ کرنا۔ جو لوگ انصاف کے لیے منصف کے سامنے کھڑے ہیں انہیں کرسئ انصاف پر بیٹھنے کا موقع دے دے۔ کسی منصف کو توفیق نہ دے کہ وہ خود کو مقدس قانون سمجھنے لگے اور اسے اپنا بچھڑا بنا لے۔ کیونکہ ارضی قانون آسمانی قانون کی طرح خداوند تعالیٰ کے دائرہ اختیار میں ہے۔ جو کوئی اس کو ظلم ڈھانے کے لیے استعمال کرتا ہے، وہ خدا کے رحم کو غلط استعمال کرتا ہے۔''

Marfat.com

"ظلم ڈھانے والوں سے ان کے گناہوں کی دوہری باز پرس فرما، میں تجھ سے التجا کرتا ہوں کہ ان کو ان کے گناہوں کا دوہرا عذاب دے۔"

یہ بلال کی دعا ہے جو سیاہ فام اور پیدائشی غلام ہے۔ اور وہ ظلم سے سخت نفرت کرتا ہے۔ مگر میں اخلاقی نقطۂ نظر پیش کرتا ہوں۔ ہم تاریخ کے ایسے دور میں سے گزر رہے تھے جس میں ہمیں سیخ میں پروئے ہوئے گوشت کی طرح دھکتے ہوئے کوئلوں پر گھمایا جا رہا تھا۔

کفار و مشرکین نے ہم پر اچانک مظالم کے پہاڑ ڈھانے شروع کر دیئے۔ کوئی ایسا دن نہیں گزرتا تھا جس میں انسانوں پر روح فرسا مظالم نہ ڈھائے جاتے ہوں۔ ظلم انصاف کی نفی ہوتا ہے۔ جو لوگ ظلم کی چکی میں پس رہے ہوں اور معاشرے کے سب طاقتور اس چکی کو گھمانے میں مصروف ہوں تو انصاف کے لیے کس سے رجوع کیا جا سکتا تھا؟ یہ ناانصافی انسانی روح کو پامال کر رہی تھی یہاں تک کہ آسمان بھی رو دیا اور اس کے آنسو پیغمبرؐ کی آنکھوں سے بہنے لگے۔ یا ہمیں ایسا محسوس ہوا۔ کیونکہ ہم آپؐ کے دُکھ کو محسوس کر سکتے تھے۔ مگر آپ کے قدم آپ کی منزل سے اِدھر اُدھر نہیں ہٹ سکتے تھے۔ ایسے لگا کہ خدا کی منشا یہی ہے کہ بوت کے قدم تکلیف دہ طور پر سخت چٹان کے اندر پیوست ہوتے جا رہے تھے لیکن جو لوگ آپ کے پیچھے پیچھے چل رہے تھے ان کے لیے چٹان میں بنے ہوئے وہی نشاناتِ قدم ان کی منزل کو آسان بنا رہے تھے۔

اسلام کی خاطر شہادت پانے والا پہلا فرد ایک خاتون سمیہؓ تھیں جنہوں نے ابوجہل کے ہاتھوں جام شہادت نوش کیا تھا۔ وہ عمارؓ کی والدہ تھیں۔ ان کا "جرم" یہ تھا کہ انہوں نے ہُبل کے سامنے سجدہ کرنے سے انکار کیا تھا، چنانچہ ابوجہل نے انہیں پسلیوں میں نیزہ گھونپ کر شہید کر دیا۔ انہیں اسی وقت جنت کی بشارت مل گئی۔ اسی جرم میں کچھ لوگوں کو ستونوں کے ساتھ باندھ باندھ کر اتنے کوڑے مارے گئے کہ وہ موت سے ہمکنار ہو گئے یا اس کے دروازے پر پہنچ گئے۔ کچھ لوگوں نے ہتھیار ڈال دیئے اور خوف سے اسلام سے منکر ہو گئے۔ مگر میں جو کوڑے کھانے کا خوگر ہو چکا تھا اپنے گوشت سے دستبردار ہو گیا۔ شاید خدا یہ نہیں چاہتا تھا کہ لوگ اپنی بساط سے زیادہ ظلم برداشت کریں اس لیے اس نے کمزوروں کو اپنے ظاہری انکار

Marfat.com

کی اجازت دے دی۔ وہ بڑا رحیم و کریم ہے۔ دلوں کا حال جانتا ہے کہ کس نے کس مجبوری کے تحت زبانی طور پر اسلام کا انکار کیا۔ اس طرح کچھ بچ گئے اور کچھ ایسا کرنے سے بھی نہ بچ سکے۔

محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اس صورت حال میں کچھ کرنا تھا۔ مشرکین کی سفاکیاں آئے روز بڑھ رہی تھیں، وہ ایک ایک کر کے مسلمانوں کو قتل کر رہے تھے یا انہیں شدید زخم پہنچا کر خود بخود مرنے کے لیے چھوڑ رہے تھے۔ چنانچہ نبی اکرمؐ نے کمزوروں، یعنی ان لوگوں کو جنہیں کسی قبیلے کی پشت پناہی حاصل نہیں تھی، ملک چھوڑ دینے کی اجازت دے دی۔ اور ایسے لوگوں کو جن پر مشرکین ان کے قبیلے سے مڈبھیڑ ہونے کے خوف سے ہاتھ نہیں اٹھا سکتے تھے سرِدست ڈٹے رہنے کی اجازت دے دی۔ مجھے چونکہ ابو بکرؓ کی جانب سے تحفظ حاصل تھا، اس لیے مجھے ٹھہرنے کا حکم دیا گیا۔

ایک رات حضرت علیؓ کے بڑے بھائی جعفر طیار دس مردوں اور تین خواتین کو لے کر خاموشی سے صحرا میں چلے گئے، ان کی منزل مقصود حبشہ تھا۔ میں اس ملک کے بارے میں کچھ بھی نہیں جانتا تھا، یہ سمندر کے پار واقع ہے اس پر اس زمانے میں ایک عیسائی بادشاہ حکمران تھا جس کی وجہ شہرت اس کا اعلیٰ درجے کا انصاف تھا۔ یہ مختصر قافلہ عام راستہ اختیار کرنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتا تھا، اس لیے اس نے انتہائی دشوار گزار راستہ لیا جو کہ صحرا کا خطرناک ترین حصہ تھا۔ اس راستے میں نہ کنوئیں تھے اور نہ کوئی آدم زاد۔ کہا جاتا تھا کہ ان اوّلین مہاجروں کو اگر کوئی سایہ میسر تھا تو وہ ان گِدھوں کے پروں کا سایہ تھا جو ان کے سروں پر اس لیے منڈلا رہے تھے کہ جونہی یہ بھوک اور پیاس سے مرنے کے لیے گریں تو یہ ان کو چٹ کر جائیں۔

ادھر مکہ میں، جو کہ ایک چھوٹا شہر تھا، ان تیرہ چودہ افراد کے اچانک غائب ہو جانے کا پتہ چلے بغیر نہ رہ سکا۔ ابوسفیان نے گھڑ سواروں کا ایک رستہ ان کے تعاقب میں بھیجا تا کہ وہ انہیں واپس لائے۔ اگر وہ واپس آنے پر راضی نہ ہوں تو ان کا وہیں خاتمہ کر دیا جائے۔ گھڑ سواروں نے ان کے قدموں کے نشانات پا لیے اور تقریباً ایک میل نشانوں کے ساتھ ساتھ چلتے

Marfat.com

رہے۔ لیکن خدا نے انہیں قافلہ نہ دیکھنے دیا اور نہ ان کے گھوڑوں کو ان کی بُو محسوس ہونے دی۔ جعفر طیار ان کی تلواروں اور گھوڑوں کی سموں سے محفوظ رہے۔ اگر آپ کرامات پر یقین رکھتے ہیں تو یقیناً یہ کرامت ہی تھی۔ مگر میرا یقین یہ ہے کہ جعفر کو صحرا استعمال کرنا ضرور آتا تھا۔ انہوں نے صحرا میں چندھیا دینے والی دھوپ اور ریت کے ٹیلوں کے سایوں سے بھرپور فائدہ اٹھایا اور دشمنوں کی دسترس کے دائرے سے نکل گئے۔ جعفر طیار کو اپنے ہی سائے میں گم ہونے کا فن آتا تھا لیکن بلاشبہ خدا نے انہیں رہنمائی فراہم کی تھی۔ اگر وہ لگے ہوئے راستے سے جاتے تو تعاقب کرنے والوں کی دستبرد سے محفوظ نہ رہ سکتے۔

جب ہم نے ابوسفیان کے گھڑ سواروں کو تھکے تھکے اور بے نیل و مرام واپس آتے دیکھا تو شکر ادا کیا کہ کم از کم وہ تو ان ظالموں کے پنجے سے نکل گئے ہیں۔ اس کے بعد ہم نے یہاں سے نکل جانے کی پالیسی بنا لی اور مزید آدمیوں کو ان کے پیچھے پیچھے بھیجنا شروع کر دیا۔ حتیٰ کہ جانے والوں کی تعداد 83 ہوگئی۔ جن میں چند ایک عورتیں بھی شامل تھیں یہ سب کامیابی سے بحیرۂ احمر کو عبور کر کے حبشہ پہنچ گئے تھے۔

لیکن حبشہ میں بھی ہمارے لوگ محفوظ نہ تھے۔ یہاں اپنے ملک میں ابوسفیان کی آواز دھیمی اور لہجہ نرم ہو گیا لیکن بہت خطرناک بھی ہو گیا۔ مجھے بتایا گیا کہ اس کی بات سننے کے لیے تجھے ذرا آگے کو ہو کر بیٹھنا پڑے گا۔ اگر پیچھے بیٹھے رہے تو کچھ بھی نہ سن پاؤ گے۔ لیکن اگر تم ایک انچ بھی سر آگے کر کے سننے کی کوشش کرو گے تو سب باتیں واضح طور پر سن لو گے۔ چنانچہ ہر کسی کو ہمہ تن گوش ہو کر اس کے خیالات سننے پڑ رہے تھے۔ اس شخص کا وقار بری طرح مجروح ہو چکا تھا۔ مکہ اختلافِ رائے رکھنے والے '83' افراد کے فرار ہو جانے اور ہمسایہ ملک میں پناہ لے لینے کی اجازت نہیں دے سکتا تھا۔ یہ اہل مکہ کی تجارت کے لیے بہت بُرا شگون تھا۔ اگر وہ مسلمانوں کو صحرا یا سمندر سے واپس نہ لا سکے تو پھر وہ ایسی جگہ جا سکتے تھے جہاں وہ جا کر چھپ جاتے۔ انہوں نے اس بادشاہ کے تخت کے پیچھے پناہ لے لی تھی جو ''یہودا کا شیر'' کہلاتا تھا۔

اس پر عمرو بن العاص کی زیر سرکردگی ایک وفد ''یہودا کے شیر'' کے پاس بھیجا گیا جو تحفوں اور ہدیوں کے انبار لے کر وہاں گیا۔ ارکان وفد معذرت نامے اور دوستی کے خطوط بھی لائے تھے۔ عمرو بن العاص جس نے بعد میں مصر فتح کیا تھا اس وقت ایک نوجوان لڑکا تھا جسے

Marfat.com

ہر چیز بہ نوک زبان یاد تھی لیکن خدا کا شکر ہے کہ وہ اتنا ہوشیار نہ تھا کہ وہاں اپنے مشن میں کامیاب ہوسکتا۔ ورنہ تو وہ ان 83 نفوس کو زنجیروں میں جکڑ کر گھسیٹتا ہوا مکہ لاتا اور اپنی روح کو بھی دوزخ میں جھونکنے میں ''کامیاب'' ہو جاتا۔ لیکن جیسا کہ میں آپ کو بتاؤں گا کہ خدا نے اسے ناکام بنا کر اس پر رحم کر دیا۔

بادشاہ نے مسلمانوں کو بلوا کر اپنے سامنے حاضر کروایا اور ان سے پوچھا کہ کیوں نہ تمہیں زنجیروں میں جکڑ کر مکہ واپس بھیج دیا جائے۔ جعفر بے چارے کی حالت اس وقت دانیال علیہ السلام جیسی تھی جنہیں شیروں کے پنجرے میں ڈال دیا گیا تھا۔ ان کے منہ سے الفاظ ٹوٹ پھوٹ کر نکل رہے تھے اور وہ بڑی مشکل سے سیدھے ہو کر کھڑے تھے۔ دوسری طرف عمرو غصے سے نیلا پیلا کھڑا تھا، اس کے ہر ہر لفظ سے نخوت اور مسلمانوں کے لیے نفرت جھلکتی تھی۔ وہ اپنے دلائل کے لیے انجیل کی آیتوں کا سہارا لے رہا تھا۔ تاوقتیکہ محسوس ہونے لگا کہ وہ پیشگوئی پوری ہو رہی ہے کہ ''گدھا وہی ہے جس پر وہ سوار تھا'' (بحوالہ متیؒ 5:21)۔ اس نے جعفر طیار پر الزام لگایا کہ ان لوگوں نے ایک دعویدار نبوت کے کہنے پر بغاوت کر کے معاشرتی نظام کو تباہ کیا ہے، کیونکہ یہ کلمات لیے ہیں اور جھوٹا دین اختیار کیا ہے۔ آخر کار اس نے بزعم خود ثابت کیا کہ اسلام ایک غلط مذہب ہے۔ عمرو فی الحقیقت پتھر کے ٹکڑے کی مانند ایک مشرک تھا۔ اسے مذہب کے بارے میں کوئی معلومات حاصل نہیں تھیں اس نے مسلمانوں پر طنز و تعریض کرتے ہوئے اپنی ظرافت کی صلاحیت کا بھی مظاہرہ کیا اور درباریوں کو خوب ہنسایا۔ معلوم ہو رہا تھا کہ اس نے میدان مار لیا ہے جعفر کے لیے لائی گئی زنجیریں کھنکتی ہوئی فرش رکھ دی گئیں۔ لیکن خدا نے، جس نے انسان کو ہوشیاری کی دی ہے وہ اس کے منہ سے احمقانہ باتیں بھی نکلوا سکتا ہے اور وہ نکلے بغیر نہ رہ سکیں اور عمرو جیتتے ہوئے بھی ہار گیا۔ یا جیسا کہ میں تاریخ کے اندر یہاں یقینی طور پر بیٹھا ہوا ہوں وہ اس وقت جیتا جب وہ ہار چکا تھا۔

جعفر نے حضرت عیسیٰؑ کے بارے میں وہ کچھ کہا جیسے کہ ہم مسلمان حضرت عیسیٰؑ کو جانتے ہیں وہ پیغمبروں کے سلسلے کی کڑی کا حصہ تھے۔ محمدؐ سب پیغمبروں کے آخر میں آئے اور

Marfat.com

خاتم النبیین کہلائے۔ اور عیسیٰؑ ان سے پہلے آئے تھے۔ ان کے پیروکاران سے اتنی زیادہ محبت رکھتے تھے کہ انہوں نے انہیں غلطی سے اپنا معبود بنالیا۔

حبشہ میں بھی یسوع سے دل کی اتنی گہرائیوں سے محبت کی جاتی تھی کہ ان کا نام آتے ہی عیسائی بادشاہ کی آنکھوں میں آنسو تیرنے لگے۔ عمرو بن العاص نے غلطی یہ کی کہ اس نے آنسوؤں کو اس کی آنکھوں کی چمک سمجھا۔ یقینی بات ہے کہ روح کا اندھا پن اتنی خوفناک چیز ہے کہ یسوع اس کے علاج کو اپنی جان سے بھی زیادہ عزیز سمجھتے تھے۔ عمرو اس وقت اندھا تھا۔ اس نے اپنا جبہ سنبھالا اور اسے ٹھیک کرتے ہوئے اس طرح اٹھ کر کھڑا ہوا کہ اس کی ٹانگیں پھیلی ہوئی تھیں جیسا کہ جلاد اپنا کلہاڑا لیے کھڑا ہوتا ہے۔ جعفر طیار نے اس واقعے کی منظر کشی کرتے ہوئے مجھے بتایا کہ ''اس نے اپنی تقریر ایسے انداز میں کی جیسے وہ آخری ضرب لگا رہا ہو۔ اس نے کہا '' یہ لوگ یسوع کے بارے میں جھوٹ بولتے ہیں، ان کا کہنا ہے کہ یسوع محض پیغمبروں جیسا ایک پیغمبر تھا خدا کا بیٹا نہیں تھا۔ یہ کہتے ہیں کہ آپ تین خداؤں کی پرستش کرتے ہیں یعنی ایک باپ، ایک بیٹے اور ایک نہ دکھائی دینے والے (روح القدس) کی پوجا کرتے ہیں۔ یہ آپ کے یسوع مسیح کی الوہیّت کو نہیں مانتے اسے ایک مردہ انسان مانتے ہیں۔

یہ مشرک کتنا کچھ جانتا تھا، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ ہر مذہب سے آگاہ ہے اور اس نے کتنی عیّاری سے عیسیٰؑ کے بارے میں مسلمانوں کے عقیدے کا اظہار کیا اور ان سے متعلق مسلمانوں اور عیسائیوں کے عقیدوں میں تضاد نمایاں کیا۔ یہ سن کر بادشاہ جعفر طیار کی طرف متوجہ ہوا اور پوچھا ''آپ ہمارے خدا کی زمینی پیدائش کے بارے میں اپنا عقیدہ بتائیں۔'' اس نے ''زمینی پیدائش'' کے الفاظ پر زور دیتے ہوئے اپنے ہاتھ کو پیچھے کی طرف جھٹکا دیا اور جیلروں کو قریب آنے کا اشارہ کیا۔ مگر جعفر نے جیلروں کے درمیان سے آگے بڑھ کر کہا۔

''میں آپ کو بتاتا ہوں کہ قرآن پیدائش مسیح کے بارے میں کیا کہتا ہے، میں اس سے متعلق وہی کچھ کہوں گا جو مجھے معلوم ہے۔''

یہ بیان کسی قدر ناامیدی کا اظہار کر رہا تھا مگر اس کی وجہ سے بادشاہ نے اپنا سر اٹھالیا۔ اس پر جعفر کی آواز بتدریج قوت پکڑتی چلی گئی۔ اسے ایسا کرنا ہی پڑا، اس کی واحد امید بولنے میں مضمر تھی۔ کیونکہ اس نے زنجیروں کو دیکھ لیا تھا۔ اس نے بادشاہ کے ماتھے پر پڑی ہوئی

Marfat.com

تیوریاں بھی دیکھی تھیں، پتھر کے بھاری تخت میں بنے ''دھاڑتے شیر'' بھی دیکھے تھے، اس کی بلند ہوتی ہوئی آواز ان سب چیزوں کے مجموعی تاثر کو زائل کر رہی تھی۔ بعض کہتے ہیں اگرچہ میں اس پر معذرت کرتا ہوں کہ اس کی آواز بلال کی آواز جیسی کاٹ رکھتی تھی، یہ بات مجھے دس برس بعد خود عمرو بن العاص نے بتائی تھی لیکن بلال تو صرف ایک نقارچی ہے۔ حیّ علی الصلوٰۃ کی صدا بلند کرتا ہے، اسے صرف یہ فخر حاصل ہے کہ وہ اونچی جگہ پر کھڑا ہو کر یہ کلمات ادا کرتا ہے عمرو کو ابھی اپنے شہد کی مکھیاں پکڑنی ہیں۔

جعفر طیار کو اس روز معلوم تھا کہ ذہن نشین ہو جانے والا لہجہ کیسے اختیار کیا جا سکتا ہے، وہ اس طرح کا آدمی تھا جس کے پاس اظہار کرنے کے سوا کوئی راستہ نہیں ہوتا۔ اس نے حیرت میں ڈوبے ہوئے چہروں کو سورۃ مریم سنائی جو قرآن مجید کی 19 ویں سورۃ ہے اور اس میں حضرت عیسیٰؑ علیہ السلام کی ایک کنواری دوشیزہ کے بطن سے پیدائش کا ذکر ہے۔ اس نے ترتیب کے ساتھ وہی آیات سنائیں جو ان کے ذہنوں میں کلبلاتے ہوئے سوالات تھے ان میں خدائے واحدہٗ لاشریک خود بول رہا تھا کہ وہ عیسیٰؑ کو کیسے عدم سے وجود میں لایا تھا:

............اور اے نبیؐ اس کتاب میں مریم کا حال بیان کرو جب کہ وہ اپنے لوگوں سے الگ ہو کر شرقی جانب گوشہ نشین ہو گئی تھی اور پردہ ڈال کر ان سے چھپ بیٹھی تھی۔ اس حالت میں ہم نے اس کے پاس اپنی روح (یعنی فرشتے کو) بھیجا اور وہ اس کے سامنے ایک پورے انسان کی شکل میں نمودار ہو گیا۔ مریم یکایک بول اٹھی کہ ''اگر تو کوئی خدا ترس آدمی ہے تو میں تجھ سے خدائے رحمان کی پناہ مانگتی ہوں۔'' اس نے کہا ''میں تو تیرے رب کا فرستادہ ہوں، اور اس لیے بھیجا گیا ہوں کہ تجھے ایک پاکیزہ لڑکا دوں۔'' مریم نے کہا ''میرے ہاں کیسے لڑکا ہوگا جب کہ مجھے کسی بشر نے چھوا تک نہیں ہے۔ اور میں کوئی بدکار عورت نہیں ہوں۔'' فرشتے نے کہا ''ایسا ہی ہوگا، تیرا ربّ فرماتا ہے کہ ایسا کرنا میرے لیے بہت آسان ہے اور ہم یہ اس لیے کریں گے کہ اس لڑکے کو

Marfat.com

لوگوں کے لیے ایک نشانی بنائیں اور اپنی طرف سے ایک رحمت۔ اور یہ کام ہو کر رہے گا۔"

مریم کو اس بچے کا حمل رہ گیا اور وہ اس حمل کے لیے ایک دور مقام پر چلی گئی۔ پھر زچگی کی تکلیف نے اسے ایک کھجور کے نیچے پہنچا دیا۔ وہ کہنے لگی "کاش میں اس سے پہلے ہی مر جاتی اور میرا نام ونشان تک نہ رہتا۔" فرشتے نے پائینتی سے اس کو پکار کر کہا "غم نہ کر، تیرے ربّ نے تیرے نیچے ایک چشمہ رواں کر دیا ہے اور تو ذرا اس درخت کے تنے کو ہلا، تیرے اوپر تر و تازہ کھجوریں ٹپک پڑیں گی۔ پس تو کھا اور پی اور اپنی آنکھیں ٹھنڈی کر۔ پھر اگر کوئی آدمی تجھے نظر آئے تو اس سے کہہ دے کہ میں نے رحمان کے لیے روزے کی منت مانی ہے، اس لیے آج میں کسی سے نہ بولوں گی۔ پھر وہ اس بچے کو لیے ہوئے اپنی قوم میں آئی۔ لوگ کہنے لگے "اے مریم یہ تو تُو نے بڑا پاپ کر ڈالا ہے۔ اے ہارون کی بہن نہ تیرا باپ کوئی برا آدمی تھا اور نہ تیری ماں ہی کوئی بدکار عورت تھی۔" مریم نے بچے کی طرف اشارہ کر دیا۔ لوگوں نے کہا "ہم اس سے کیا بات کریں جو گہوارے میں پڑا ہوا ایک بچہ ہے۔" بچہ بول اٹھا "میں اللہ کا بندہ ہوں۔ اس نے مجھے کتاب دی اور نبی بنایا اور بابرکت کیا جہاں بھی رہوں اور نماز اور زکوٰۃ کی پابندی کا حکم دیا جب تک میں زندہ رہوں اور اپنی والدہ کا حق ادا کرنے والا بنایا اور مجھ کو جبّار اور شقی نہیں بنایا، سلام ہے مجھ پر جب کہ میں پیدا ہوا اور جب کہ زندہ کر کے اٹھایا جاؤں۔"

یہ ہے عیسیٰؑ بن مریم اور یہ ہے اس کے بارے میں سچی بات جس میں لوگ شک کر رہے ہیں، اللہ کا یہ کام نہیں کہ وہ کسی کو بیٹا بنائے۔ وہ پاک ذات ہے وہ جب کسی بات کا فیصلہ کرتا ہے تو کہتا

Marfat.com

ہے کہ ہو جا اور بس وہ ہو جاتی ہے۔ اللہ میرا رب بھی ہے اور تمہارا
رب بھی، بس اس کی بندگی کرو یہی سیدھی راہ ہے۔"

دربار میں موجود حکمران اور رعایا سب کے سب افراد کی آنکھیں اشک بار تھیں۔ بادشاہ "یہودا کا شیر" تخت سے اتر کر نیچے آیا اور جعفر طیار کے ساتھ لپٹ گیا۔ اسے جکڑنے والی زنجیر کی بجائے بادشاہ کے گرم جوش بازوؤں نے اپنے حلقے میں لے رکھا تھا۔ وہ رقت کے عالم میں بولا "میں تجھے سونے کے پہاڑ کے بدلے میں بھی ان کے حوالے نہ کروں گا۔"

اس نے اپنی چھڑی سے فرش پر ایک لکیر کھینچتے ہوئے کہا کہ اس کی انجیل اور قرآن میں کتنا باریک فرق ہے۔ عمرو بے تابی سے اپنا وزن کبھی ایک ٹانگ پر اور کبھی دوسری ٹانگ پر ڈال رہا تھا۔ پھر عمرو نے عمرو ہوتے ہوئے مسکرا کر بادشاہ کی طرف دیکھا جیسا کہ وہ کہہ رہا ہو ہر چیز ایک جوا ہے، اس نے کتنا غلط پانسہ پھینکا ہے۔

یہ تھا حبشہ، جو شیروں اور شہد .... انصاف کا ملک تھا۔ لیکن مکہ میں جو کاروانوں، شرح زر مبادلہ، ریشم گرم مصالحوں اور خوشبوؤں کا شہر تھا مگر یہاں انصاف نہیں تھا۔ اہل حبشہ کے دل کلام الٰہی سن کر پسیج گئے تھے مگر مکہ والوں کے دلوں پر قفل پڑے ہوئے تھے۔

ہجرتِ حبشہ کے بعد مسلمانوں کے لیے اذیتوں کا ایک نیا دور شروع ہو گیا۔ جو کوڑوں کی بہ نسبت زیادہ سفاکانہ تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سارے خاندان یعنی بنو ہاشم کے سب افراد کو شہری زندگی سے خارج کر دیا گیا۔

Marfat.com

معاشرتی بائیکاٹ
شعب ابی طالب میں محصوری......

اسلام اور محمد صلی اللہ علیہ کے خلاف قریش کا غصہ روز بروز بڑھتا چلا جا رہا تھا کیونکہ وہ دیکھ رہے تھے کہ ان کی ساری کوششوں کے باوجود مکے میں بھی اسلام اندر ہی اندر پھیلتا جا رہا ہے اور بیرونی قبائل کے لوگ بھی پے در پے مسلمان ہو رہے ہیں۔ پھر یہ معاملہ صرف عرب تک ہی محدود نہیں رہ گیا ہے بلکہ حبش تک اس کی جڑیں پھیل گئی ہیں۔ نجاشی کھلم کھلا مسلمانوں کا حامی بن گیا ہے اور وہاں سے وفود اسلام قبول کرنے کے لئے محمد صلی اللہ علیہ کے پاس آ رہے ہیں۔ اس پر مزید ان کی آتشِ غضب کو یہ چیز بھڑکا رہی تھی کہ حضرت حمزہؓ اور حضرت عمرؓ جیسے بہادر اور با اثر سرداروں کی شمولیت سے ان مسلمانوں کی ہمتیں بڑھ گئی ہیں جو ہجرت حبشہ کے بعد مکہ میں رہ گئے تھے۔ (یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ ہجرت حبشہ دو دفعہ ہوئی تھی) ان اسباب نے مل جل کر آخر کار قریش کی جاہلیت کو اس قدر برافروختہ کر دیا کہ انہوں نے بالاتفاق ایک دستاویز لکھی جس میں اللہ کی قسم کھا کر یہ عہد کیا گیا کہ جب تک بنی ہاشم اور بنی المطلب محمدؐ کو ان کے حوالہ نہ کر دیں اس وقت تک ان سے میل جول، شادی بیاہ، بول چال اور خرید و فرخت کا کوئی تعلق نہ رکھا جائے گا۔

قریش کے تمام خاندانوں کے سربراہوں نے اس دستاویز کی توثیق کی اور اسے خانہ کعبہ میں لٹکا دیا گیا۔ یہ یکم محرم 7 بعدِ بعثت کا واقعہ ہے۔

ابو طالب کو جب معلوم ہوا کہ قریش کے لوگ میرے بھتیجے کی جان کے درپے ہیں تو

Marfat.com

انہوں نے بنی ہاشم اور بنی المطلب کو بلایا اور ان سے کہا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو ساتھ لے کر سب کے سب شعب ابی طالب میں جمع ہو جائیں اور آخر وقت تک آپؐ کی حفاظت کریں۔ اس تجویز کو دونوں خاندانوں نے قبول کیا اور ان کے کافر اور مسلمان سب شعب ابی طالب میں سمٹ آئے۔ اس کے بعد قریش کے باقی خاندانوں نے اس معاہدے پر عمل درآمد شروع کر دیا۔ یہ معاشرتی بائیکاٹ تقریباً تین سال رہا۔ اس پورے زمانے میں محاصرہ بڑی سختی کے ساتھ جاری رہا۔ محصورین کی ایسی ناکہ بندی کر دی گئی تھی کہ ان کو کھانے پینے کی چیزیں پہنچنے کے تمام راستے بند ہو گئے۔ باہر کے تاجر اگر مکہ آتے تو قریش کے لوگ جلدی کر کے ان کا سب سامان خرید لیتے تا کہ محصورین ان سے کوئی چیز نہ خرید سکیں۔ ابولہب محصورین کو کوئی چیز خریدتے دیکھتا تو پکار کر تاجر سے کہتا کہ ان سے اتنی زیادہ قیمت مانگو کہ یہ خرید نہ سکیں پھر میں وہی چیز تم سے خرید لوں گا اور تمہارا نقصان نہ ہونے دوں گا۔ اس طرح محصورین کی حالت یہ ہو گئی تھی کہ ان کے بھوکے بچوں کے رونے اور بلکنے کی آوازیں شعبِ ابی طالب کے باہر سنی جاتی تھیں۔ یہ لوگ صرف حج کے زمانے میں نکلتے تھے اور دوسرا حج آنے تک اپنے محلے میں بند رہتے تھے۔

اس زمانے میں صرف حضرت خدیجہ کے بھتیجے حکیم بن حزام اور نضلہ بن ہاشم بن عبد مناف کے بھتیجے (یعنی اس کے ماں جائے بھائی کے بیٹے) ہشام بن عمرو العامری چوری چھپے صلۂ رحمی کا حق ادا کرتے رہے۔ ایک مرتبہ ابو جہل نے حکیم بن حزام کو اپنی پھوپھی صاحبہ کے لیے غلہ لے جاتے ہوئے پکڑ لیا اور کہا ''تم بنی ہاشم کے لیے خوراک کا سامان لے جا رہے ہو؟ اچھا میں تمہیں نہیں چھوڑوں گا جب تک مکہ بھر میں رسوا نہ کر دوں۔ اتنے میں ابوالبختری بن ہشام جو حضرت خدیجہ کا قریبی رشتہ دار ہوتا تھا وہاں پہنچ گیا اور اس نے پوچھا کیا معاملہ ہے۔ ابوجہل نے کہا یہ بنی ہاشم کے لیے غلہ لے جا رہا ہے۔ وہ بولا چھوڑ دے اس کو۔ یہ اس کی پھوپھی کا غلہ ہے جو وہ ان کے پاس لے جا رہا ہے۔ کیا تو ان کی اپنی چیز ان کے پاس نہیں لے جانے دے گا؟ ابوجہل نے انکار کیا اس پر دونوں میں لڑائی ہو گئی اور الوالبختری نے اسے بری طرح رگیدا حتیٰ کہ اونٹ کے جبڑے کی ہڈی اس کے سر پر اس زور سے ماری کہ اس کا سر پھٹ گیا۔ اس سارے معاملے کو حضرت حمزہ دیکھ رہے تھے اس لیے دونوں کافروں نے شرما کر اپنا

Marfat.com

جھگڑا ختم کر دیا تا کہ بنی ہاشم اس پر خوش نہ ہوں۔ ہشام بن عمرو العامری بھی خفیہ طریقے سے بنی ہاشم اور بنی المطلب کے ساتھ صلۂ رحمی کرتا تھا۔ اس کا طریقہ یہ تھا کہ وہ اونٹ پر غلہ لاد کر رات کے وقت شعبِ ابی طالب کے سرے پر لاتا اور اسے شعب کے اندر دھکیل دیتا جسے محصورین پکڑ لیتے اور غلہ اتار کر اونٹ کو واپس کر دیتے۔ قریش والوں نے اس کو بھی دھمکیاں دیں مگر ابوسفیان نے کہا چھوڑو اس کو، یہ ایک آدمی ہے جو رشتہ داروں سے صلۂ رحمی کر رہا ہے۔

ادھر اس سماجی بائیکاٹ کے باوجود بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی الاعلان اسلام کی تبلیغ سے ایک دن بھی باز نہ رہے۔ اور کسی میں یہ جرأت نہ تھی کہ آپ کو اس سے روک دیتا۔

کفارِ مکہ کے سرپھرے اور ضدی سرداروں نے اگرچہ وقتی طور پر غصہ دلا کر یہ بائیکاٹ کرا لیا تھا مگر مکہ میں کوئی خاندان نہ تھا جس کی رشتہ داریاں بنی ہاشم اور بنی المطلب کے ساتھ نہ ہوں۔ اس لیے ابتداء ہی سے متعدد لوگوں کو اپنے بھائی بندوں کا یہ بائیکاٹ ناگوار تھا اور جوں جوں یہ طویل ہوتا گیا اس کے خلاف جذبہ تیز سے تیز تر ہوتا چلا گیا۔ کیونکہ محصورین پر فاقہ کشی کی نوبت آ گئی تھی۔ ان کے بچوں کے رونے اور بلکنے کی آوازیں آس پاس کے محلوں تک پہنچ رہی تھیں اور دوسرے خاندانوں میں ان کے رشتہ دار جو پڑوس میں رہتے تھے ان آوازوں کو سُن سُن کر بے تاب ہوئے جاتے تھے۔

تیسرے سال کے آخر میں بنی عبد مناف، بنی قصّی اور دوسرے ان لوگوں نے جن کے شادی بیاہ کے رشتے بنی ہاشم سے تھے ایک دوسرے کو لعنت و ملامت کی اور صاف صاف کہنا شروع کر دیا کہ یہ قطعِ رحمی جو ہم نے کی اس کی وجہ سے ہم خاندانی حقوق پامال کرنے کے مرتکب ہوئے ہیں۔

آخرِ کار ہشام بن عمرو العامری اس کام کا بیڑہ لے کر اٹھا کہ وہ اس بائیکاٹ کا خاتمہ کرا کے چھوڑے گا۔ اس نے اپنے قریبی عزیزوں میں سے ہر ایک سے الگ الگ ملاقات کی اور اسے خوب جھجھوڑا سب سے پہلے وہ بنی مخزوم کے رئیس زہیر بن ابی امیہ سے ملا جو حضرت ام سلمہ کا بھائی حضورؐ کی پھوپھی عاتکہ بنت عبدالمطلب کا بیٹا تھا۔ اس نے کہا اے زہیر کیا تم خوش ہو کہ اطمینان سے کھاؤ پیو شادیاں کرو اور تمہارے ننہیال کے لوگ بھوکے مریں۔ ان سے لین

Marfat.com

دین کا مقاطعہ کیا جائے۔ان کے ساتھ شادی بیاہ کے رشتے بھی توڑ لیے جائیں؟ میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اگر معاملہ ابو جہل کا ہوتا اور تم نے اس کے ننھیال کے ساتھ وہ معاملہ کرنے کی دعوت دی ہوتی تو جو اس نے تمہاری ننھیال کے ساتھ کرنے کی دعوت دی ہے تو وہ ہرگز نہ مانتا۔زہیر نے کہا، ہشام، میں اکیلا آدمی کیا کر سکتا ہوں اگر کوئی اور بھی ساتھ دینے والا ہوتا تو میں مقاطعہ کی دستاویز پھڑوائے بغیر نہ چھوڑتا۔ ہشام نے کہا ایک آدمی ساتھ دینے والا تو میں موجود ہوں۔زہیر نے کہا ایک اور آدمی تلاش کرو۔

پھر ہشام بنی نوفل بن عبد مناف کے سردار مطعم بن عدی کے پاس گیا اور اس سے کہا کہ اے مطعم کیا تم یہ چاہتے ہو کہ بنی عبد مناف کے دو خانوادے ہلاک ہو جائیں اور تم تماشا دیکھتے رہو؟ اگر ان کے معاملے میں تم نے قریش کا ساتھ دیا اور قریش کو اس طرح ان کا خاتمہ کرنے کے لیے چھوڑ دیا تو جلدی ہی ایک دن یہی کچھ تمہارے ساتھ ہوگا۔اس نے جواب دیا میں اکیلا کیا کر سکتا ہوں؟ کسی اور کو ساتھ ملاؤ، ہشام نے کہا ایک میں ہوں اور دوسرا زہیر بن ابی امیہ ہے۔مطعم نے کہا کہ ایک اور ساتھی ڈھونڈو۔

اس کے بعد ہشام بنی اسد بن عبد العزیٰ کے سردار ابوالبختری عاص بن ہاشم سے ملا اور اس سے بھی وہی باتیں کیں جو مطعم سے کہی تھیں۔اس نے پوچھا کوئی اور بھی ساتھ دینے والا ہے؟ ہشام نے کہا میں ہوں، زہیر بن امیہ ہے اور مطعم بن عدی ہے۔اس نے کہا بس ایک اور آدمی ساتھ ملالو۔چنانچہ ہشام نے زمعہ بن الاسود بن مطلب سے بات کی جو بنی اسد بن عبد العزیٰ کے سرداروں میں سے ایک تھا اور اسے بھی اس کام کے لیے ہموار کیا۔

پھر یہ پانچوں آدمی رات کے وقت مکہ کے بالائی مقام حجون پر ملے اور آپس میں طے کیا کہ کس طرح بائیکاٹ کی دستاویز ختم کرنے کی کوشش کریں گے۔زہیر نے کہا کہ میں بات کی ابتداء کروں گا اور تم لوگ میرا ساتھ دینا۔دوسرے روز صبح کو یہ لوگ قریش کی مجلسوں کی طرف گئے۔اور زہیر نے کعبہ کا طواف کرنے کے بعد مکہ کے لوگوں کو مخاطب کر کے کہا ''اے اہل مکہ کیا ہم کھائیں پئیں اور کپڑے پہنیں اس حال میں کہ بنی ہاشم ہلاک ہو رہے ہیں؟ نہ ان سے کچھ خریدا جاتا ہے اور نہ ان کے ہاتھ کچھ فروخت کیا جاتا ہے۔خدا کی قسم میں ہرگز نہ بیٹھوں گا جب تک اس ظالمانہ بائیکاٹ کی دستاویز پھاڑ نہ دی جائے گی۔ابو جہل نے بہ آواز بلند کہا

Marfat.com

''تم نے غلط کہا ہے وہ ہرگز نہ پھاڑی جائے گی۔'' زمعہ بولا'' واللہ تم سب سے بڑھ کر جھوٹے ہو۔ ہم اس وقت بھی راضی نہ تھے جب یہ دستاویز لکھی جا رہی تھی۔'' ابوالبختری نے تائید کرتے ہوئے کہا'' زمعہ سچ کہتے ہیں، اس دستاویز میں جو کچھ لکھا گیا ہے، ہم اس پر ہرگز راضی نہیں ہیں اور نہ اس کا اقرار کرتے ہیں۔'' مطعم بن عدی نے کہا'' تم سچ کہتے ہو اور جھوٹا وہ ہے جو اس کے سوا کچھ کہتا ہے۔ ہم اللہ کے سامنے اس دستاویز سے اور جو کچھ اس میں لکھا ہے اس سے برأت کا اظہار کرتے ہیں'' ہشام بن عمرو نے بھی اس کی تائید کی۔ اس پر ابوجہل نے کہا'' یہ ایک سازش ہے جو رات کو کسی اور جگہ بیٹھ کر تیار کی گئی ہے۔''

اُدھر آنحضرتؐ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے خوشخبری دی گئی کہ بائیکاٹ کی دستاویز پر ظلم و تعدّی اور قطع رحمی کا جو مضمون لکھا تھا، اس سب کو دیمک چاٹ گئی ہے۔ آپؐ نے اس کا ذکر اپنے چچا ابو طالب سے کیا۔ انہوں نے پوچھا'' کیا تمہارے ربّ نے تمہیں اس کی خبر دی ہے۔'' آنحضرت نے کہا'' جی ہاں۔'' ابو طالب نے اس کا ذکر اپنے بھائیوں سے کیا۔ انہوں نے کہا آپ کا کیا خیال ہے؟ ابو طالب نے کہا واللہ محمدؐ نے کبھی مجھ سے کوئی جھوٹی بات نہیں کہی ہے۔ پھر ابو طالب نے کہا اب کیا کرنا چاہیے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا'' میری رائے یہ ہے کہ آپ لوگ اپنے بہترین کپڑے پہن کر قریش کی طرف نکلیں اور ان کو یہ بات بتائیں'' چنانچہ سب نکلے اور حجرے میں گئے جہاں قریش کے بڑے اور دانا لوگ بیٹھا کرتے تھے۔ ان لوگوں کو آتے دیکھ کر سب حاضرین کی نگاہیں ان کی طرف اٹھ گئیں اور وہ سوچنے لگے کہ آخر یہ کیا کہنا چاہتے ہیں۔

ابو طالب نے وہاں پہنچتے ہی لوگوں کو مخاطب کر کے کہا'' ہم ایک بات لے کر آئے ہیں اس کا وہ جواب دو جو تمہارے نزدیک درست ہو۔ سردارانِ قریش نے کہا'' خوش آمدید، اہلاً وسہلاً ہمارے پاس وہ کونسی بات ہے جو آپ کو خوش کرنے والی ہو۔ آپ کیا چاہتے ہیں۔'' ابو طالب نے کہا'' میرے بھتیجے نے مجھے یہ خبر دی ہے اور خدا کی قسم اس نے کبھی جھوٹ نہیں بولا ہے۔ اب تم وہ صحیفہ منگوا کر دیکھو۔ اگر میرے بھتیجے کی بات سچی ہے تو ہمارے ساتھ اپنی قطع رحمی

Marfat.com

سے باز آ جاؤ اور جو کچھ اس صحیفے میں تم نے لکھا تھا، اسے ختم کر دو۔ اور اگر وہ جھوٹا ہے تو میں اسے تمہارے حوالے کر دوں گا، پھر تمہیں اختیار ہے چاہو قتل کر دو چاہو زندہ رہنے دو۔'' انہوں نے کہا آپ نے یہ انصاف کی بات کہی ہے۔ پھر وہ صحیفہ منگوایا گیا۔ کھول کر دیکھا تو بات وہی سچی نکلی جس کی خبر اللہ کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دی تھی۔ اس پر کفارِ قریش کے ہاتھوں کے طوطے اُڑ گئے اور ان کے سر جھک گئے۔ ابو طالب نے کہا ''اب تم پر واضح ہو گیا کہ ظلم اور قطع رحمی اور بدسلوکی کے مرتکب تم ہی ہوئے تھے۔ ہم کس قصور میں محبوس رکھے گئے۔ پھر ابو طالب اپنے ساتھیوں سمیت کعبہ کے پردوں کے پیچھے گئے اور بیت اللہ کی دیواروں سے لپٹ کر انہوں نے دعا مانگی کہ'' خدایا، ان لوگوں کے مقابلے میں ہماری مدد فرما جنہوں نے ہم پر ظلم کیا، ہم سے قطع رحمی کی اور وہ کچھ اپنے لیے حلال کر لیا جو ہمارے معاملے میں ان پر حرام تھا۔'' یہ کہہ کر وہ اپنے ہمراہیوں کو لیے ہوئے اپنی شعب کی طرف روانہ ہو گئے۔ ان کے اٹھتے ہی قریش کے بہت سے لوگوں نے اس ظلم پر سخت ملامت کی جو بنی ہاشم پر کیا گیا تھا۔ ان میں مطعم بن عدی، عدی بن قیس زمعہ بن اسد، ابو البختری بن ہاشم اور زبیر بن ابی امیہ پیش پیش تھے۔ پھر یہ لوگ ہتھیار بند ہو کر شعب ابی طالب میں گئے اور بنی ہاشم اور بنی عبدالمطلب سے کہا کہ اب آپ لوگ اپنے اپنے گھروں میں جا کر آباد ہوں۔ اس مقاطعہ کا خاتمہ 10 بعدِ بعثت میں ہوا۔

Marfat.com

بڑے بڑے لوگوں کا قبول اسلام

حضرت حمزہؓ اور حضرت عمرؓ

ہم عرصہ سے صحرا میں پڑے ہوئے تھے، مگر ہمارے گردو پیش میں واقعات بادلوں کی طرح تیزی سے رونما ہو رہے تھے۔ یہ درست ہے کہ ابھی ہمیں اپنی بدقسمتیوں کی پاتال میں اترنا تھا۔ کئی گھونسے لگنے، کئی دھکے سہنے اور کئی نئی آفتیں جھیلنی تھیں۔ لیکن پہلے ایک امید کی کرن بھی دکھائی دے گئی جس نے ہمارے سر بلند کر دیئے۔ پتہ چلا تھا کہ حمزہ اور عمر بن خطاب مشرف بہ اسلام ہو گئے ہیں۔ ہم خوشی سے جھوم اُٹھے اور خدا کا شکر بجالانے لگے۔

حیرت کی بات یہ تھی کہ دونوں پیکرانِ شجاعت وعزیمت کا اسلام کی طرف پہلا قدم شدید غصے کی حالت میں اٹھا۔ پہل حمزہ نے کی، جو حضورؐ کے چچا اور رضاعی بھائی بھی تھے۔ قوی الجثہ اور مشاق جنگجو تھے اور شیر کے شکاری کے طور پر شہرت رکھتے تھے۔ معرکۂ جنگ میں کسی کی تلوار ان کی تلوار سے بھاری نہیں تھی، کسی کا نیزہ ان کے نیزے سے تیز تر نہیں تھا اور کسی کا تیر ان کے تیر سے زیادہ صحیح نشانے پر نہیں بیٹھتا تھا۔ شکار کرتے ہوئے کوئی ان سے زیادہ بہادر، سبک قدم زیادہ تیز نگاہ اور جانور کو فوراً دبوچ لینے والا نہ تھا۔ اس کے باوجود وہ بے حد شیریں مقال، نرم خُو اور نرم دل تھے۔ اور محتاط اتنے تھے کہ صحرا میں سواری کے دوران پھولوں کو مسلے جانے سے بچانے کے لئے اپنے گھوڑے کو گھما کر گزارنا زیادہ پسند کرتے تھے رزمیہ شاعری سنانا ہوتی تو ان کے اشعار سے صحرا گونجنے لگتا۔

لیکن ایک روز اس متوازن شخصیت کی زبان کی شیرینی ان کا ساتھ چھوڑ گئی۔ وہ جنگل

Marfat.com

سے شیر مار کر لائے تھے اور مردہ شیر ان کے گھوڑے کی پیٹھ پر لدا ہوا تھا، جونہی مکہ میں داخل ہوئے تو انہوں نے سنا کہ ابو جہل حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو جھوٹا، دغا باز اور کیا کیا کہہ رہا ہے۔ اس پر وہ شدید غصے میں آ گئے۔ اور اسی طرف بڑھ گئے جہاں اس نے ایک مجمع اکٹھا کر رکھا تھا، وہ حمزہ کو دیکھ کر بھی واہی تباہی بکتا رہا۔ چنانچہ حمزہ ہجوم کو چیرتے ہوئے اس کے سر پر جا پہنچے اور اپنی بھاری کمان کا ایک سرا پکڑا اور اس کا درمیانی حصہ اس کے سر پر دے مارا۔ انہوں نے یہ کام اتنی تیزی سے کیا کہ کسی کو کچھ سمجھ میں نہ آیا، سارا مجمع منتشر ہو گیا۔ ابو جہل چکرا کر زمین پر جا پڑا اور سر سے نکلنے والے خون نے اس کا چہرہ لہولہان کر دیا۔ حمزہ اگرچہ شاعر تھے، مگر بحث وتمحیص کے قائل نہیں تھے انہوں نے صرف کعبے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ جب میں رات کو صحرا میں شکار تلاش کر رہا ہوتا ہوں تو جان رہا ہوتا ہوں کہ خدا کو کسی گھر کے اندر بند کر کے نہیں رکھا جاتا۔ پھر وہ گھوڑے سے اترے اور اپنے پاؤں زمین پر جما کر رکھتے ہوئے لحہ بھر اس کی طرف دیکھا اور اعلان کیا۔ میرا مذہب وہی ہے جو میرے بھتیجے کا مذہب ہے۔ میرا خدا وہی جو اس کا خدا ہے۔ کسی میں جرأت ہے تو وہ سامنے آ جائے۔ میں محمد صلی اللہ علیہ کے پاس اسلام قبول کرنے جا رہا ہوں جو چاہے میرا راستہ روک کر دیکھ لے۔ لوگ خوفزدہ ہو کر راستے سے ہٹتے چلے گئے۔ ابو جہل بمشکل اٹھ کر بیٹھ سکا اور حمزہ کے بڑھتے ہوئے قدموں کو دیکھتا رہ گیا۔

اس سے کچھ ہی دیر کے بعد ایک دوسرا مرد جرّی بھی ہاتھ میں تلوار لئے اور قتل کا ارادہ کئے ہوئے محمد رسول اللہ صلی علیہ وسلم کی تلاش میں چل پڑا۔ یہ عمر بن الخطاب تھا جس نے یہ تہیہ کر رکھا تھا کہ وہ ایک ہی ضرب سے اسلام کا ٹنٹا ختم کر دے گا۔ مضبوط جسم، لمبا قد، فنِ حرب میں مہارت اور اپنے اکثر ورسوخ کی وجہ سے اس کا شمار بڑے لوگوں میں ہوتا تھا۔ اس کے بارے میں کہا جاتا تھا کہ وہ دوڑتا ہوا اپنے اونٹ پر سوار ہو جاتا تھا۔ یہ شروع ہی سے ایک مہم جو نوجوان تھا اور بازنطین کی سرحد پر گرم مصالحے اور قیمتی پتھر سمگل کرنے کا کاروبار کرتا تھا۔ غصیل اتنا تھا کہ اس کا اونٹ بھی اس کے بپھر جانے سے ڈرتا تھا۔

Marfat.com

عمر برہنہ تلوار لئے نبی اکرمؐ کو تلاش کرتا ہوا آ رہا تھا۔ اس وقت حضور دارارقم میں نماز پڑھ رہے تھے، آپ کے پاس نہ تلوار تھی اور نہ کچھ اور سامانِ دفاع تھا۔ میں اسے دیکھ کر نبیؐ کی طرف دوڑا تا کہ آپ کو مطلع کردوں میرا خیال تھا کہ میری طرح آپؐ بھی خوفزدہ ہو جائیں گے۔ مگر آپ بالکل پریشان نہیں ہوئے۔ آپ نے ''فرمایا خدا جب چاہے گا اسے داخل اسلام کردے گا۔''

میں کھڑکی میں سے عمر کو دیکھ رہا تھا، اس کی تلوار نیام سے نکلی ہوئی تھی۔ میں نے کہا ''خدا نے غالباً فیصلہ کرلیا ہے کہ یہ مشرف بہ اسلام ہو جائے۔ اسی لئے تو یہاں آیا ہے۔''

میں نے اپنے اردگرد کوئی ہتھیار تلاش کیا مگر چولہے پر کھولتے ہوئے پانی کے دیگچے کے سوا کچھ بھی نہیں تھا۔ میں اس پانی کو اٹھائے دروازے کی طرف چل پڑا۔ تا کہ اسے دفاع کے لئے استعمال کروں پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہو گئے آپ کو اپنی حفاظت سے بڑھ کر میری سلامتی کی فکر تھی آپ نے پانی کا برتن مجھ سے لیتے ہوئے میرا شکریہ ادا کیا اور فرمایا ''اگر خدا نے اس دفعہ اس کے لئے مجھے چنا ہے تو کھولتا ہوا تیل بھی کام نہیں دے گا'' کم ازکم میرا خیال یہی ہے کہ میں آپ کا مطلب یہی سمجھا تھا۔ میں اپنی یادداشت پر زیادہ بھروسہ نہیں کرتا۔

عمر دروازے سے پچاس قدم کے فاصلے پر آچکا تھا، یہ عمر کی ٹانگوں کے لحاظ سے چالیس قدم کا فاصلہ نہ تھا۔ اتنے میں ایک معمر شخص اس کے سامنے آ گیا۔ میرا خیال تھا کہ یہ کوئی بھکاری ہے کیونکہ بھکاری لوگ موقع دیکھے بغیر بھیک مانگنے لگتے ہیں۔ عمر غصیل ہونے کے باوجود فیاض آدمی کے طور پر بھی مشہور تھا۔ مگر اس بار اس نے شدید جھنجلاہٹ کا مظاہرہ کیا اور اس کو اٹھا کر سختی سے جھنجوڑا اور قسمیں اٹھاتے ہوئے کہا کہ ''اس عورت'' کو قتل کر ڈالوں گا۔ اس سے مجھے کچھ اطمینان ہوا کہ اسے غصے کی وجہ سے مرد اور عورت کے فرق کا احساس نہیں رہا۔ پھر عمر پلٹا اور الٹی سمت چل پڑا جس طرف سے وہ آیا تھا، ایسا لگ رہا تھا کہ جیسے اس کے اندر شیطان گھس گیا ہو۔

مجھے معلوم تھا کہ ابھی دن ختم نہیں ہوا۔ عمر ایسا آدمی نہیں تھا کہ اس نے کسی کو چھوڑ دیا ہو، خواہ پیغمبر پر ہی ہاتھ کیوں نہ اٹھانا پڑے۔ آدھا کام تو اس نے کر ہی دیا تھا چنانچہ میں کھڑکی کے قریب ٹھہرا رہا اور اس نے جھنجلاہٹ میں گرامر کی غلطی کر کے مذکر کو مونث کر دیا تھا اس

Marfat.com

میں الجھا رہا۔ اب ارقم آ چکا تھا، اس طرح ہم تین افراد ہو گئے۔ اپنے طور میرے پاس جو ہتھیار یعنی کھولتا ہوا پانی تھا میں نے اسے بدستور چولہے پر کھولتے رکھا تاکہ بوقت ضرورت اس سے جتنا کام لیا جا سکے، لیا جائے۔ میرا جی چاہتا تھا کہ کسی طرح حمزہ کو اس کی اطلاع دے دی جائے مگر وہ اس وقت یقیناً کہیں جنگل میں پھر رہے تھے۔ اس طرح ہم حالت محاصرہ میں تھے۔

کچھ دیر بعد میں نے اسے پھر آتے دیکھا اس کے ہاتھ میں تلوار ابھی تک بے نیام تھی۔ میں نے کسی اجازت کے بغیر دروازہ بند کر کے کنڈی لگا دی۔ عقب سے نبی اکرمؐ آئے اور بولے "دروازہ کیوں بند کیا ہے بلال"؟ "آپ کو قتل ہونے سے بچانے کے لئے اے رسول خدا"۔ لیکن آپ نے پُرسکون انداز میں میری طرف دیکھا اور فرمایا "پیغمبر دروازہ بند نہیں کرتا یا بلال، کھول دو اس کو، تمہیں صرف خدا کا ڈر ہونا چاہئے"۔

آپؐ کمرے کے وسط میں کھڑے انتظار کر رہے تھے۔ مجھے تلوار کے دستے سے دروازے کو بجائے جانے کی آواز سنائی دی۔ لیکن جو کچھ پیغمبر جانتا ہے وہی درست ترین بات ہوتی ہے۔ چنانچہ میں نے وہی کچھ کیا جو مجھے کہا گیا تھا چنانچہ میں نے دروازہ کھول دیا۔ عمر ابن خطاب اندر آنے کے لیے جھکا۔ پھر میں نے جو کچھ دیکھا، اس پر مجھے یقین نہ آ سکا۔ عمر نے رسول اللہ پر نظر ڈالی، مجھ پر نظر ڈالی، ارقم کی طرف دیکھا اور نگاہ نیچے کر کے اپنی تلوار دیکھی۔ اس کے جذبات کے اندر ایک زبردست تلاطم برپا ہوا، اندر کی کشمکش کا اثر اس کے چہرے سے ظاہر ہو رہا تھا۔ اس نے اپنی قمیض اتاری جیسا کہ وہ اپنا دل پیش کر رہا ہو۔ پھر اس نے "لا اِلٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ" پڑھا اور بیعت کے لیے ہاتھ آگے بڑھا دیئے۔ ہم سب نے نہایت زور سے نعرۂ تکبیر بلند کیا۔

اس موقع پر بات واضح ہوگئی کہ جیسے یسوع مسیح کا پیرو "پال" تھا۔ اس طرح محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا پیرو عمر ابن الخطاب تھا۔ بات راستہ بدلنے کی تھی۔ پال کی بات ہو یا عمرؓ کی، اصل میں ہمیں انقلاب کے موضوع پر گفتگو کرنی چاہیے۔ کیونکہ دونوں انقلاب راستے کی تبدیلی کی وجہ سے برپا ہوئے۔ دونوں نے خون ریزی کے بارے میں سوچا۔ عمر نبی اکرم کو قتل کرنا چاہتا تھا اور پال عیسائیوں کو قتل کرنا چاہتا تھا۔ مجھے بتایا گیا ہے کہ پال ان لوگوں کے کوٹ سنبھالے رکھتا تھا جو اوّلین شہید سٹیفن پر پتھراؤ کے لیے آگے بڑھنا چاہتے تھے۔ یہ آگ کے قریب تر

Marfat.com

مقام پر پہنچنے کے مترادف تھا۔ تاہم خدا نے ان دونوں کو کھینچ کر جہنم کے کنارے سے پیچھے ہٹایا تا کہ دونوں مستحقِ عذاب بننے کی بجائے اپنے اپنے مذہب کے خادم بن جائیں۔

ہاتف غیبی

میں نے وہی کچھ دیکھا جو میں نے بیان کیا ہے۔ میں نے عمرابن خطاب کا مشرف بہ اسلام ہونا دیکھا، اس کا بدترین آغاز اور بہترین انجام دیکھا۔ میں نے وہ معجزہ نہیں دیکھا جو اس آغاز اور انجام کے مابین ظہور پذیر ہوا، اس کے بارے میں میری معلومات خبابؓ کی روایت پر مبنی ہیں۔ خبابؓ ایک لوہار تھے جو اس موقع پر موجود تھے۔ وہ اتنے سچے آدمی تھے جتنا ان کا لوہا سچا تھا۔ انہوں نے بتایا:

جس شخص نے عمرؓ کو راستے میں روکا تھا وہ بھکاری نہیں تھا، جیسا کہ میرا خیال تھا بلکہ وہ ایک تاجر تھا، بعضوں کا خیال ہے کہ وہ شراب کا تاجر تھا۔ کیونکہ خدا تمہارے پاس فریسیوں (مکاروں) اور گناہگاروں کو اس وقت بھیجتا ہے جب آپ کو ان کی آمد کی ذرّہ بھر بھی توقع نہیں ہوتی۔

بوڑھے شخص نے عمر سے جو سوال کیا تھا وہ یہ تھا کہ ''تم نے تلوار کیوں نکال رکھی ہے؟''

''اس دھوکے باز کو قتل کرنے کے لیے جو ہمارے خداؤں سے خود کو بڑا سمجھتا ہے۔'' عمر نے جواب دیا تھا۔

بوڑھے نے کہا ''پہلے گھر جاؤ اور اپنی ہمشیرہ کو قتل کرو۔'' ایسے لوگ ہاتف غیبی ہوتے ہیں جو بہترین وقتوں پر اچانک رونما ہو کر اپنا کردار ادا کر دیتے ہیں۔ عمر اس کی صرف آدھی بات ہی سمجھ سکا تھا مگر وہ اسے مشتعل کرنے کے لیے کافی بات کہہ گیا تھا۔ عمر کو اپنی بہن سے بہت محبت تھی، اس کے بارے میں مبہم اشارے نے اس کے پاگل پن میں مزید اضافہ کر دیا تھا۔

عمر فوراً واپس مڑا اور بہن کے دروازے کے قریب کھڑا ہو کر اندر سے آنے والی آوازوں کو سنتا رہا۔ یہ آوازیں کچھ پُر اسرار باتوں کا پتہ دے رہی تھیں۔ عمر مزید مشتعل ہو گیا اور اس نے اچھل کر اتنے زور سے ٹھڈا مارا کہ دروازہ کھل گیا۔ سات فٹ اونچے قد کے حامل

Marfat.com

اس غضبناک دیو نے تلوار اپنے سر پر سے گھمائی اہل خانہ دہشت زدہ ہو گئے۔ اندر گیا تو اسے اپنی بہن فاطمہ کا سراپا، اس کا شوہر سعید اور مجھے اس واقعے کی روئداد سنانے والا خباب دکھائی دیا۔ فاطمہ نے کاغذ کے ایک ٹکڑے کو اپنی قمیض تلے چھپانے کی کوشش کی تو اس کے چہرے پر ایک زناٹے دار تھپڑ آ لگا، جس سے وہ پیچھے کی طرف گر گئی اس طرح کاغذ کا وہ ٹکڑا اس کے گھٹنوں کے درمیان آ گیا جہاں سے عمر نے وہ اچک لیا۔

عمر کو معلوم نہیں تھا کہ اس کی پیاری بہن خفیہ طور پر اسلام قبول کر چکی ہے۔ اس کا صرف نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو پتہ تھا۔ اور چھینے ہوئے کاغذ پر قرآن مجید کی سورہ طٰہٰ (20) کی چند آیات لکھی ہوئی تھیں۔ اس کی آیات اپنے اندر حسن و معانی کا سمندر سموئے ہوئے ہیں اور مرّوجہ شاعری اس کے ترجمے سے قاصر تھی۔ ایک آیت جس پر عمر کی نظریں جم کر رہ گئی تھیں یہ تھی:

اللهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى.

''وہ اللہ ہے، اس کے سوا کوئی خدا نہیں، اس کے لیے بہترین نام ہیں۔''

فاطمہ خوف کے مارے اپنے شوہر کے بازو کے پیچھے سہمی کھڑی تھیں اور ان کے چہرے پر بہتے ہوئے خون کی لکیر لگی ہوئی تھی۔ عمر نے احساس جرم کی وجہ سے اپنا سر دیوار کے ساتھ ٹکراتے ہوئے کہا ''تم نے مجھ سے یہ سلوک کیوں کیا ہے؟'' یہ سوال مضحکہ خیز بھی تھا اور رقت انگیز بھی۔ فاطمہ، اپنے منہ میں اپنے ہی خون کا ذائقہ محسوس کر رہی تھی اور اتنی ڈری ہوئی تھی کہ اس سے اس سوال کا جواب نہیں بن رہا تھا۔ عمر نے کاغذ پر لکھے ہوئے الفاظ اس کے سامنے کیے جس سے اس کی ندامت کا اظہار بھی ہو رہا تھا، اور کہا ''مجھے یہ پڑھ کر سناؤ اگر یہ ہمارے کام آنے کے قابل ہے تو اسے پڑھ کر سناؤ۔''

مگر فاطمہ کی انگلیاں اس کا ساتھ نہ دے سکیں، چنانچہ خباب بن الارت نے جو لوہے کو مروڑ کر پرندے کے پر کی شکل دے سکتے تھے اس کے ہاتھ سے کاغذ لے لیا اور پڑھ کر سنایا۔ عمر غور سے سن رہا تھا۔ اور گہری حیرت میں گم ہوتا چلا گیا۔ وہ ان لبوں کو معجز نما کلام الٰہی پڑھتے دیکھ کر ایک انجانی کیفیت میں ڈوب رہا تھا۔ عمر نے مجھے خود بتایا کہ اس کے اندر ایک

Marfat.com

زبردست مٹھاس سرایت کر رہی تھی اور وہ سر سے پاؤں تک لرز رہا تھا۔ عمر کے مشرف بہ اسلام ہونے سے اسلام کو زبردست قوت میسّر آ گئی۔

عمر بن خطاب اسلام لانے کے بعد خاموش ہو کر بیٹھ جانے والے مسلمان نہ تھے۔ ان کا اپنا بیان تھا کہ جس روز میں نے اسلام قبول کیا، اسی رات مجھے خیال آیا کہ جو شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا شدید ترین دشمن ہو اس کو مجھے اپنے اسلام لانے کی اطلاع دینی چاہیے۔ چنانچہ میں سیدھا ابوجہل کے ہاں گیا اور اس کا دروازہ کھٹکھٹایا وہ نکلا تو مجھے دیکھ کہا خوش آمدید، میرے بھانجے کیسے آئے ہو۔ میں نے کہا کہ میں یہ خبر دینے آیا ہوں کہ میں مسلمان ہو گیا ہوں۔ اُس نے کہا "بُرا ہو تیرا اور اس چیز کا بھی بُرا ہو جسے تو لے کر آیا ہے۔"

چھ سالہ بیٹے کا بیان

حضرت عمر کے بیٹے عبداللہ اس وقت چھ برس کے تھے ان کی روایت ہے کہ اسلام لانے کے بعد حضرت عمر نے پوچھا قریش میں کون آدمی سب سے زیادہ خبریں پھیلانے والا ہے۔ بتایا گیا کہ جمیل بن معمر بن حبیب۔ جس پر میرے والد اس کی تلاش میں نکلے۔ میں بھی پیچھے پیچھے چل پڑا۔ میں اگرچہ لڑکا تھا جو کچھ دیکھتا تھا اسے سمجھتا تھا۔ حضرت عمر نے جا کر جمیل بن معمر سے کہا کہ میں مسلمان ہو گیا ہوں اور میں نے دینِ محمد قبول کر لیا ہے۔ پھر بخدا کہ اس نے پلٹ کر کوئی بات نہ کی اور اپنی چادر گھسیٹتا ہوا نکل کھڑا ہوا۔ حضرت عمر اس کے پیچھے چلے اور میں ان کے پیچھے۔ جب وہ مسجدِ حرام کے دروازے پر پہنچا تو بلند آواز سے چیخا "قریش کے لوگو۔" سردارانِ قریش اس وقت کعبہ کے گرد اپنی اپنی مجلسوں میں بیٹھے تھے۔ اس کی آواز سن کر سب اس کی طرف متوجہ ہو گئے۔ اس نے کہا "سنو، عمر دین سے پھر گیا۔" حضرت عمرؓ نے پیچھے سے پُکار کر کہا، "جھوٹ کہتا ہے، میں مسلمان ہوا ہوں اور شہادت دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی الٰہ نہیں اور محمدؐ اُس کے بندے اور رسول ہیں۔" اس پر لوگ انہیں مارنے لگے اور وہ بھی لوگوں کو مارنے لگے یہاں تک کہ سورج سر پر آ گیا۔ حضرت عمرؓ تھک کر بیٹھ گئے۔ لوگ ان کے گرد کھڑے تھے اور حضرت عمرؓ کہہ رہے تھے کہ تمہارا جو جی چاہے کر لو۔ اتنے میں قریش کا ایک شیخ آگے بڑھا اور اُس نے مجمع سے پوچھا کیا معاملہ ہے؟ انہوں نے کہا عمرؓ دین سے پھر گیا ہے۔

Marfat.com

اس نے کہا ''تو پھر کیا ہوا؟ ایک آدمی نے اپنے لیے جو کچھ چاہا اختیار کرلیا۔ اب تم کیا چاہتے ہو؟ کیا تم سمجھتے ہو کہ بنی عدی اس طرح اپنے آدمی کو تمہارے حوالے کردیں گے؟ ہٹ جاؤ اس کے پاس سے۔'' اس پر لوگ اس طرح ہٹ گئے جیسے کسی پر سے کپڑا کھینچ لیا جائے۔ میں نے بعد میں اپنے والد سے پوچھا وہ شخص کون تھا۔ انہوں نے فرمایا ''بیٹے، وہ عاص بن وائل سہمی تھا۔'' (یعنی عمرو بن العاص کا باپ)۔

جب حضرت عمرؓ اپنے گھر میں خوف زدہ بیٹھے ہوئے تھے تو عاص بن وائل جو جاہلیت کے زمانہ میں ہمارا حلیف تھا، اُن کے پاس آیا اور ان سے پوچھا اس طرح کیوں بیٹھے ہو؟ انہوں نے کہا تمہاری قوم مجھے قتل کرنا چاہتی ہے، کیونکہ میں مسلمان ہوگیا ہوں۔ اس نے کہا کوئی تم پر ہاتھ نہیں ڈال سکتا جب کہ مجھ سے تمہیں امان مل چکی ہے۔ پھر عاص باہر نکلا تو اس نے دیکھا کہ وادی میں آدمیوں کا سیلاب امڈا آرہا ہے۔ اُس نے پوچھا کیا چاہتے ہو؟ لوگوں نے کہا ہم ابن خطاب کی خبر لینا چاہتے ہیں جو دین سے پھر گیا ہے۔ اس نے کہا کہ عمرؓ پر کوئی ہاتھ نہیں ڈال سکتا۔ اس پر سب واپس چلے گئے۔

رسول اللہ نے یہ دعا مانگی تھی ''یا اللہ ابوالحکم بن ہشام (ابوجہل) یا عمر بن خطاب کے ذریعہ سے اسلام کی تائید فرما۔ ابوجہل کو تو یہ سعادت نصیب نہ ہوسکی مگر عمر بن خطاب اسلام میں داخل ہوگئے۔

اپنے اسلام لانے پر حضرت عمر خوشی سے پھولے نہیں سماتے تھے ہر فرد اور ہر مجلس میں جا کر اپنے اسلام کا اعلان کرتے۔ ایک دن وہ رسول اللہ کے پاس آکر پوچھنے لگے ''یا رسول اللہ کیا ہم حق پر نہیں خواہ جئیں یا مریں۔'' آپؐ نے فرمایا ''اس ذات کی قسم ہے جس کے ہاتھ میں میری جان ہے تم لوگ حق پر ہو، خواہ جیو یا مرو۔''

پھر بولے جب یہ بات ہے تو یا رسول اللہ اسے چھپانے کی کیا ضرورت ہے؟ جب ہم حق پر ہیں اور وہ باطل پر، تو ہم اپنا دین کیوں چھپائیں؟ حضورؐ نے فرمایا ''اے عمر ہم قلیل تعداد میں ہیں اور تم دیکھ رہے ہو کہ ہم کن حالات سے گزر رہے ہیں۔'' حضرت عمر نے عرض کیا ''اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ نبی بنا کر بھیجا ہے میں کوئی ایسی مجلس نہ چھوڑوں گا جہاں میں پہلے کفر کے ساتھ بیٹھا تھا اور اب اسلام کے ساتھ نہ بیٹھوں۔

Marfat.com

حزن و ملال کا سال

اسے سالِ حزن اس لیے کہا جاتا ہے، کہ اس میں ہم پر پریشانیاں ٹوٹ کر آ پڑیں۔ ایسی پریشانیاں کہ ہمارا ایمان خطرے میں پڑ گیا۔ ہم بار بار آسمان کی طرف دیکھتے اور خود سے پوچھتے کہ کیا ہم نے کوئی کوتاہی کر کے اپنے ربّ کی ناراضگی مول لے لی ہے۔ یہ رسالت کا چھٹا برس تھا۔ ہماری تعداد میں گو کہ کم اضافہ ہوا تھا، پھر بھی اب ہم 100 ہو گئے تھے۔ دنیا بھر کی آبادی کو دیکھا جائے تو یہ تعداد کوئی حیثیت نہیں رکھتی تھی۔ مگر یہ بھی تو ایک حقیقت تھی کہ ہم ایک وقت صرف دس ہوتے تھے۔ اب میرے لیے اس سے بڑھ کر خوشی کیا ہو سکتی ہے کہ جب میں اپنے بڑھاپے میں اپنی لاٹھی کے سہارے دمشق کے بازار جاتا ہوں تو مسلمانوں کے ایک جمِ غفیر پر نظر پڑتی ہے۔ تیس برس پہلے ہم سب ایک چراغ کے گرد بیٹھ سکتے تھے لیکن اب خدا نے ہم میں سے ہر ایک کو اتنا پھلنے پھولنے کا موقع دیا ہے، کہ آج ہم لاکھوں میں ہیں۔ مجھے اس بات کی بھی خوشی ہے کہ ہم سطحِ زمین پر پھر رہے ہیں مگر ایک بات بتا دوں کہ اس سالِ حزن میں، مَیں یہی چاہتا تھا کہ کاش میں زمین کے اندر اتر چکا ہوتا۔

پہلے حضرت خدیجہؓ نے وفات پائی۔ وہ پچیس برس آپؐ کی واحد زوجہ کی حیثیت سے رہیں۔ جیسا کہ میں پہلے بتا چکا ہوں کہ وہ آپ پر ایمان لانے والی اوّلین خاتون تھیں۔ جب پہلی وحی آئی تھی اور جبرئیل نے آپؐ کو اپنے ساتھ زور سے بھینچا تھا، اس اوّلین تجربۂ وحی کی وجہ سے آپؐ پر کافی گھبراہٹ طاری ہوئی اور آپ کانپتے اور لرزتے ہوئے گھر پہنچے تو خدیجہ نے آپ کی ڈھارس بندھائی۔ آپؐ کو اپنی دولت میں شریک کر لیا، حتیٰ کہ اسے آگے تقسیم کرنے کی بھی اجازت دے دی، اپنی پُر شفقت شخصیت کی وجہ سے وہ اُمّ المومنین تھیں۔

Marfat.com

پھر وہ دن آ گیا کہ ان کا انتقال ہو گیا، ہم سخت گھبرائے اور رات پڑنے سے پہلے پہلے انہیں ان کی آخری آرام گاہ میں پہنچا دیا۔

ان کے بعد ابو طالب دنیا سے رخصت ہو گئے۔ انہوں نے ایسی زندگی گزاری تھی کہ ایک طرف اپنے پیارے بھتیجے کی حفاظت و نگرانی کرتے اور دوسری طرف اپنے مشرک و کافر رشتہ داروں کا مقابلہ کرتے رہے جو ہمیشہ آپؐ کی جان کے درپے رہتے تھے۔ وہ محمدؐ سے محبت کرتے تھے لیکن اپنے پرانے طور طریقوں سے بھی جان نہ چھڑوا سکے تھے۔ ان کے آباؤ اجداد نے ان کی شخصیت کو جس سانچے میں ڈھالا تھا وہ اس کے اندر ہی رہے۔ تاہم وہ نبی اکرمؐ کے لیے ایک مضبوط سہارا تھے۔ میرا خیال یہ ہے کہ خدا جو بہترین تدبیر کار ہے اس نے ابو طالب کے لیے بت پرستی کا ہی انتخاب کیا تھا کیونکہ وہ اندھیرے میں رہ کر روشنی کا زیادہ موثر کا دفاع کر سکتے تھے۔ اگر ابو طالب ہمارے ساتھ آ شامل ہوتے تو انہیں دھکیل کر ہمارے ساتھ منسلک کر دیا جاتا۔ پھر ہمارے لیے حمایت کہاں سے آتی؟ ان کی نظروں میں شاید ان کی غیر جانبدار حیثیت ختم ہو جاتی۔ وہ اسلام اور مسلمانوں کی مدد کرنے کے قابل نہ رہتے۔ ان میں سے ایک ہونے کی وجہ سے وہ ہمارے لیے دو کے برابر تھے۔ شاید آپ میری اس سوچ کو کافرانہ سمجھتے ہوں۔ جب میں مروں گا، مجھے امید ہے کہ میں بھی اتنا ہی آدھا خدا کے قریب ہوں گا جتنے ابو طالب ہوں گے۔

جب ان کی سانس اکھڑنے لگی تو انہوں نے سردارانِ مکہ کو اپنے پاس بلا کر چارپائی کی ایک طرف اور رسول اللہ کو دوسری طرف کھڑا کر کے مصالحت کرانے کی کوشش کی لیکن یہ بات رسولؐ کے لیے ممکن نہ تھی کہ آپ بت پرستی کے ساتھ مصالحت پر آمادہ ہو جاتے۔ جب آپؐ ان کو صرف خدائے وحدہٗ لاشریک کی عبادت کی تلقین کرنے لگے تو سرداروں نے زور زور سے تالیاں بجانا شروع کر دیں تاکہ جاں بہ لب ابو طالب کے کانوں میں وہ تلقین نہ پڑ سکے۔ چنانچہ وہ اسی شور اور حسرت کے عالم میں دنیا سے رخصت ہو گئے۔

رسول اللہ کو خاموش کرا دیا گیا۔ آپ کا بدترین دشمن اور چچا ابولہب آپؐ کے بہترین دوست کی جگہ بنی ہاشم کا لیڈر منتخب ہو گیا۔ آپؐ کے رشتہ دار، خونی اور حقیقی رشتہ دار بھی آپ سے الگ کر دیئے گئے اور زبان دراز اور منہ پھٹ ابولہب (بمعنی شعلے کا باپ) مذہب اور

Marfat.com

آداب معاشرت پر حرفِ آخر بنا دیا گیا۔ وہ خداؤں اللاۃ، العزیٰ اور المناۃ کا دفاع کرتا جیسا کہ یہ اس کی اپنی عورتیں ہوں جن کے بارے میں وہ ہر روز صبح ان کے حُسن اور ان کے حمل سے ہونے کے بارے میں سب کو خبر دیتا ہے۔

احمق کہیں کا۔ جب بتوں سے مانگی ہوئی اس کی کوئی مراد پوری نہ ہوتی تو وہ سارا غصہ رسول اللہ پر اتارتا۔ اور اپنے غصے کی آگ ہی میں جھلستا رہتا۔ بالآخر اسی عذاب سے دوچار ہوا۔ اس کے کرتوتوں نے اس کے لیے جہنم میں ایک خاص جگہ مقرر کر دی۔ خدا نے اس کی دنیاوی زندگی ہی میں اس کے جہنمی ہونے کی ''بشارت'' دے دی تھی۔ قرآن میں سورۃ نمبر 111، اسی کے حوالے سے آئی ہے:۔

> ''ٹوٹ گئے ابولہب کے ہاتھ اور وہ نامراد ہو گیا۔ اس کا مال اور جو کچھ اس نے کمایا وہ اس کے کسی کام نہ آیا۔ ضرور وہ شعلہ زن آگ میں ڈالا جائے گا اور اس کی بیوی کو بھی جو ایندھن سر پر اٹھائے پھرتی ہے اور لگائی بجھائی کرنے والی ہے۔ اس کی گردن میں مونجھ کی رسّی ہو گی۔

اس کی بیوی کا نام اُمِ جمیل تھا۔ یہ ابوسفیان کی بہن تھی اور اسلام دشمنی میں اپنے شوہر سے کسی طرح کم نہ تھی۔

میں امِ جمیل کو اپنے بچپن کے زمانے سے جانتا تھا۔ وہ ایک سفید چھتری لیے ہوئے آتی تھی جس جگہ پر غلاموں کی ''اصلاح'' ہو رہی ہوتی، یہ اس کام کے لیے استعمال ہونے والے ہتھیاروں کا صحیح مصرف دیکھنے آتی تھی۔ اس کے آتے ہی نگران لوگ اپنا تشدد بڑھا دیتے۔ یہ خوش ہو کر انہیں تھپکی دیتی تھی۔ مجھے اسے دیکھ کر بہت ڈر لگتا تھا۔ اس کا مشغلہ کانٹے دار لکڑیاں لا کر محمدؐ کے دروازے میں بچھانا ہوتا تھا، چونکہ یہ لکڑیاں مونجھ کی رسی میں باندھی جاتی تھیں، (شاید) اسی لیے قرآن میں اس رسی کو اس کی گردن میں ڈالنے کی وعید سنائی گئی ہے۔

مجھے ان کے رویئے پر افسوس ہے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ان کے اندر شیطانوں کا ایک گروہ حلول کر گیا ہے، یا وہ دو ہزار سؤر ان کے اندر دھنسے ہوئے تھے جنہیں یسوع نے ایسے

Marfat.com

سرپٹ دوڑایا تھا کہ وہ ''گدارا'' میں واقع جھیل میں جا گرے تھے۔ ان میں اچھائی کی بات اگر تھی تو صرف اس قدر تھی کہ وہ پیغمبرؐ کے زمانے کے لوگ تھے اور انہیں اسی موسم سے محظوظ ہونے کا موقع ملا تھا جس میں آنحضرتؐ رہتے تھے۔ ہوسکتا ہے کہ خدا چند باتوں کو سامنے رکھ کر ان پر عذاب میں کچھ تخفیف کر دے۔ میرے کہنے کا یہ مقصد نہیں کہ ان کی بخشش ہو جائے گی۔ نہ ہی میں خدائی فیصلوں پر اثر انداز ہوسکتا ہوں۔

چند ایک باتیں ہیں جن پر غور کیا جا سکتا ہے۔ مثلاً ایک روایت یہ ہے کہ مکے میں جب حضور کے ساتھ لوگوں کی بدسلوکیاں حد سے بڑھ گئیں تو ایک روز ابولہب آپؐ کے پاس آیا اور کہنے لگا ''اے محمد تم جو کرنا چاہتے ہو کرتے رہو۔ ابو طالب کی زندگی میں جو کام تم کرتے تھے اسے جاری رکھو۔ لات اور عزیٰ کی قسم میرے جیتے جی کوئی تم پر ہاتھ نہیں ڈال سکے گا'' اس کے بعد جب حضور گھر سے باہر نکلے اور ابن الغیطلہ (اصل نام حارث بن قیس بن عدیٔ السہمی تھا) نے سرِ بازار آپؐ کے اوپر گالیوں کی بوچھاڑ کر دی تو ابولہب اپنے گھر سے نکل آیا اور اس نے ابن الغیطلہ کی بری طرح خبر لی۔ اس پر وہ شور مچاتا ہوا بھاگا اور بولا ''اے قریش کے لوگو، سنو، ابو عتبہ بھی دینِ آبائی سے پھر گیا ہے۔'' یہ ہنگامہ سُن کر لوگ ابو لہب کے پاس آئے اور ماجرا پوچھا اس نے کہا ''میں نے عبدالمطلب کا دین نہیں چھوڑا ہے مگر میں اپنے بھتیجے کی حمایت کروں گا کیونکہ اس کا کوئی سرپرست باقی نہیں رہا ہے۔ قریش کے سرداروں نے کہا یہ تو تم نے بہت اچھا کیا صلۂ رحمی کا حق ادا کرنے تیار ہو گئے۔'' اس کے بعد کچھ روز تک نبی صلی اللہ علیہ وسلم امن میں رہے اور ابولہب کا لحاظ کر کے لوگوں نے آپؐ کو ستانا چھوڑ دیا۔

آخر کار ایک دن ابوجہل اور عتبہ بن ابی مُعَیط باہم مشورہ کر کے ابولہب کے پاس آئے اور اس سے کہا ''ذرا اپنے بھتیجے سے یہ تو پوچھ لو کہ اس کا دادا اور تمہارا باپ عبدالمطلب کہاں جائے گا؟'' ابولہب نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سوال کیا۔ آپؐ نے جواب دیا ''جہاں ان کی قوم جائے گی وہیں وہ بھی جائیں گے۔'' ابولہب نے اپنے دوستوں کو حضورؐ کا یہ جواب سنا دیا۔ انہوں نے کہا ''اجی کچھ سمجھے بھی ہو، یا صرف جواب ہی لے کر چلے آئے ہو۔'' یہ سنتے ہی ابولہب بھنّا گیا اور تڑخ کر بولا ''خدا کی قسم میں ہمیشہ تیرا دشمن رہوں گا تو سمجھتا ہے کہ

Marfat.com

عبدالمطلب جہنمی ہیں۔'' اس طرح چند روز کے لیے جو دشمنِ خدا حق کا حامی بنا تھا وہ اپنی اصلیت کی طرف پلٹ گیا۔

(نوٹ از مترجم: مندرجہ بالا واقعہ ابن سعد نے بھی لکھا ہے)۔ ابولہب اس سورہ کے نزول کے بعد کئی سال زندہ رہا۔ اسے توبہ کی توفیق نہ ہوئی۔ اگر توبہ کر بھی لیتا تو کیا وہ قبول بھی ہو جاتی؟ اسلام سے دشمنی اور رسول خدا سے بیر رکھنے والے کو اس کی کیسے توفیق ہو سکتی تھی؟ اگر خدا نے اسے معاف کرنا ہوتا تو اپنی کتاب میں اس کو پہنچنے والے عذاب کا کیوں ذکر کرتا۔

Marfat.com

سفرِ طائف...... حضورؐ پر ظلمِ عظیم

مکہ میں حالات کو مایوس کن پا کر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے پیدل سفر طائف اختیار کیا۔ یہ شہر مکہ سے تقریباً 50 میل شرقاً واقع ہے۔ یہ شوال 10 بعدِ بعثت تھا۔ اس سفر کا سبب یہ تھا کہ قریش کی مسلسل اذیت رسانیوں سے آپ تنگ آ گئے تھے۔ ان کی شدید مخالفت اور مزاحمت دیکھ کر یہ امید نہیں رہی تھی کہ یہ لوگ دعوتِ حق کو قبول کرنا تو درکنار، اسے جاری رکھنے کی بھی کوئی گنجائش رہنے دیں گے۔ اس لیے آپؐ چاہتے تھے کہ طائف کے لوگوں کو اسلام کی دعوت دیں اور وہاں کے طاقتور قبیلے، بنی ثقیف کو کم از کم اس بات پر آمادہ کر لیں کہ وہ آپؐ کو اپنے ہاں پناہ دے اور دعوتِ حق کے کام میں آپؐ کی مدد اور حمایت کرے۔ اس سفر میں آپؐ کے ساتھ حضرت زید بن حارثہ گئے (جب کہ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ آپؐ تنہا تشریف لے گئے تھے) یہ سفر آپ نے پیدل کیا۔ کوئی سواری میسّر نہ تھی۔ آپؐ وہاں بیس دن ٹھہرے۔ (جب کہ ایک روایت میں عرصۂ قیام ایک ماہ بتایا گیا ہے)

طائف میں اقتدار عمرو بن عمیر بن عوف کے تین بیٹوں عبد یالیل، مسعود اور حبیب کے ہاتھ میں تھا جن میں سے ایک کے گھر میں قریش کی ایک عورت صفیہ بنت معمر جمحی تھی۔ آنحضرتؐ نے ان سے ملاقات کی۔ ان کو اللہ کی طرف دعوت دی اور ان سے فرمایا کہ میں آپ لوگوں کے پاس اس لیے آیا ہوں کہ آپ اسلام کے کام میں میری مدد کریں اور میری قوم کے جو لوگ میری مخالفت کر رہے ہیں ان کے مقابلے میں آپ لوگ میری حمایت کریں۔ اس پر ان میں سے ایک نے کہا کہ ''میں کعبے کے پردے نوچ ڈالوں گا اگر اللہ نے تم کو رسول بنایا ہے۔'' دوسرے نے کہا ''کیا خدا کو تمہارے سوا کوئی رسول بنانے کے لیے نہیں ملا۔'' تیسرے

Marfat.com

نے کہا ''میں تم سے ہرگز بات نہیں کروں گا کیونکہ اگر تم واقعی اللہ کے رسول ہو تو تم اس سے بزرگ تر ہو کہ میں تمہاری بات کا جواب دوں اور اگر تم اللہ کا نام لے کر جھوٹ بول رہے ہو تو اس قابل نہیں ہو کہ تم سے بات کی جائے۔''

یہ سن کر حضورؐ اٹھ گئے اور آپ کو ان سے کسی بھلائی کی توقع باقی نہ رہی۔ چلتے ہوئے آپ نے ان سے کہا ''خیر جو برتاؤ تم نے مجھ سے کیا سو کیا مگر کم از کم اتنا کرو کہ میری بات کو مخفی رکھو۔'' یہ بات آپؐ نے اس لیے فرمائی کہ آپ کو اندیشہ تھا کہ اگر قریش تک یہ خبر پہنچ گئی تو وہ اور بھی دلیر ہو جائیں گے۔ مگر انہوں نے یہ بات بھی نہ مانی اور اپنے بدمعاشوں اور غلاموں کو آپ کے خلاف ہشکار دیا جس پر وہ آپ کو گالیاں دینے اور آپ پر آوازے کسنے لگے۔ یہاں تک کہ بہت سے لوگ اکٹھے ہو گئے اور آپ کو ایک باغ کی دیوار تک پہنچا کر چھوڑا جو عتبہ بن ربیعہ اور شیبہ بن ربیعہ کا تھا۔

آپ ثقیف کے بڑے بڑے سرداروں میں سے ہر ایک کے پاس گئے مگر کسی نے آپ کی بات نہ مانی، بلکہ انہیں اندیشہ ہوا کہ کہیں آپ ان کے نوجوانوں کو ''بگاڑ'' نہ دیں۔ اس لیے انہوں نے کہا ''اے محمد، تم ہمارے شہر سے نکل جاؤ اور زمین میں تمہارے جو دوست بھی ہوں ان سے جا ملو۔'' انہوں نے بھی اپنے اوباشوں اور غلاموں کو آپ کے خلاف اکسایا اور انہوں نے آپ کو گالیاں دیں اور شور مچا کر لوگوں کو اکٹھا کر لیا۔ ان لوگوں نے تاک تاک کر آپؐ کے ٹخنوں اور ایڑیوں پر پتھر مارے۔ راستے کے دونوں جانب دو صفیں بنا کھڑے ہو گئے اور جیسے جیسے آپ قدم اٹھا کر چلتے جاتے تھے وہ بد بخت سنگباری کیے چلے جاتے تھے۔ یہاں تک کہ آپ کے جوتے خون سے بھر گئے۔ چوٹوں کی تکلیف سے جب آپ بیٹھ جاتے تو وہ آپ کو پکڑ کر کھڑا کر دیتے تا کہ آپؐ پھر پتھر برسا سکیں۔ چنانچہ جب آپؐ مجبوراً چلنا شروع کرتے تو وہ پتھر مارتے اور ٹھٹھے کرتے چلے جاتے تھے۔ اس موقع پر حضرت زید بن حارثہ آپ کو پتھروں سے بچانے کے لیے پتھروں کی بارش اپنے اوپر لیتے رہے یہاں تک کہ ان کا سر پھٹ گیا۔

آخر کار جب آپ طائف سے نکل گئے اور وہ بدمعاش واپس ہو گئے تو آپ زخموں سے چُور عتبہ اور شیبہ کے باغ کی دیوار سے لگ کر انگور کی ایک بیل کے سائے میں بیٹھ گئے۔ اس موقع پر آپ کا دل بھر آیا اور آپ نے اپنے ربّ کی طرف رجوع کر کے دعا کی۔ جس کے الفاظ یہ تھے:

Marfat.com

''خداوند، میں تیرے ہی حضور اپنی بے بسی و بے چارگی اور لوگوں کی نگاہ میں اپنی بے قدری کا شکوہ کرتا ہوں۔ یا ارحم الراحمین تو سارے ہی کمزوروں کا ربّ ہے اور میرا ربّ بھی تو ہی ہے۔ مجھے کس کے حوالے کر رہا ہے؟ کیا کسی بیگانے کے حوالے جو مجھ سے درشتی کے ساتھ پیش آئے گا؟ یا کسی دشمن کے حوالے جس کو تو نے مجھ پر قابو پالینے کی طاقت دے دی ہے؟ اگر تو مجھ سے ناراض نہیں ہے تو مجھے کسی مصیبت کی پرواہ نہیں۔ مگر تیری طرف سے عافیت مجھے نصیب ہو جائے تو اس میں میرے لیے زیادہ کشادگی ہے۔ میں مدد مانگتا ہوں تیری ذات کے اس نور کی جو اندھیرے میں اُجالا کرتا اور دنیا اور آخرت کے معاملات کو درست کرتا ہے۔ مجھے اس سے بچالے کہ تیرا غضب مجھ پر نازل ہو یا میں تیرے عذاب کا مستحق ہو جاؤں۔ تیری مرضی پر راضی ہوں یہاں تک کہ تُو مجھ سے راضی ہو جائے کوئی زور اور طاقت تیرے بغیر نہیں۔''

ایک بار حضرت عائشہ نے حضورؐ سے پوچھا ''کیا آپ پر اُحد کے معرکے سے بھی زیادہ سخت وقت کوئی آیا ہے؟'' آپ نے جواب میں طائف کے اس واقعے کا ذکر کیا اور فرمایا کہ میں غمزدہ حالت میں جدھر منہ اٹھا چل پڑا۔ ابھی میں نے اپنی اس حالت سے افاقہ بھی نہ پایا تھا کہ یکا یک میں نے دیکھا کہ میں ''قرن الثعالب'' (اہل نجد کی میقات) کے مقام پر ہوں۔ اوپر نگاہ اٹھائی تو دیکھا کہ ایک ابر میرے اوپر سایہ کیے ہوئے ہے۔ پھر دیکھا کہ اس میں جبریل ہیں۔ انہوں نے پکار کر مجھ سے کہا ''اللہ نے وہ سب کچھ سن لیا ہے جو آپ کی قوم نے آپؐ سے کہا اور آپ کی دعوت کا جو جواب آپ کو دیا گیا۔ یہ پہاڑوں کا فرشتہ اللہ تعالیٰ نے بھیجا ہے تاکہ آپ جو چاہیں اسے حکم دیں۔'' پھر پہاڑوں کے فرشتے نے پکار کر مجھے سلام کیا۔ اور اس کے بعد مجھ سے کہا ''اے محمدؐ، اللہ نے آپ کی دعوت پر قوم کا جواب سن لیا ہے۔ میں پہاڑوں کا فرشتہ ہوں۔ مجھے آپ کے رب نے آپ کے پاس بھیجا ہے تاکہ آپ اپنا حکم مجھے دیں۔ اگر آپ چاہیں تو میں قریش پر مکہ کے دو طرفہ پہاڑوں (یعنی ابوقبیس اور قعیقعان) کو آپس میں

Marfat.com

ملادوں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا جواب دیا کہ ''نہیں، میں امید رکھتا ہوں کہ اللہ ان کی پشتوں سے ایسے لوگ پیدا کرے گا جو اللہ وحدہٗ لاشریک کی عبادت کریں گے۔

عدّاس کا قبول اسلام

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زخموں سے چور ہو کر عتبہ بن ربیعہ اور شیبہ بن ربیعہ کے باغ کی دیوار سے لگ کر انگور کی بیل کے سایہ میں بیٹھے ہوئے تھے تو قریش کے ان دونوں سرداروں نے آپؐ کو اس حالت میں دیکھا اور ان کی رگِ حمیّت کو اس پر کچھ جوش آیا۔ بنی جمح کی جو عورت طائف کے سرداروں میں سے ایک کے گھر میں تھی وہ بھی حضورؐ سے ملی اور آپ نے اس سے فرمایا کہ ''تمہاری سسرال والوں نے یہ کیسا سلوک ہمارے ساتھ کیا۔'' عتبہ اور شیبہ نے اپنے ایک عیسائی غلام عدّاس کو بلوایا اور اس سے کہا کہ ''انگوروں کا خوشہ طباق میں رکھ کر اس شخص کے پاس لے جا۔ اور اس سے کہہ کہ اسے کھالے۔''

عداس نے جب طباق لے جا کر آپؐ کے سامنے رکھا اور آپ کو تناول فرمانے کے لیے کہا تو آپ نے بسم اللہ الرحمان الرحیم پڑھ کر اس میں ہاتھ ڈالا۔ عدّاس بولا ''خدا کی قسم اس ملک میں تو کوئی یہ کلمہ کہنے والا نہیں ہے۔'' حضورؐ نے پوچھا ''تم کہاں کے رہنے والے ہو اور تمہارا دین کیا ہے؟'' اس نے کہا ''میں عیسائی ہوں اور نینوا کا رہنے والا ہوں۔'' آپ نے فرمایا ''مردِ صالح یونس بن متیٰؑ کی بستی کے ہو۔'' اُس نے پوچھا ''آپ ان کو کیسے جانتے ہیں۔'' فرمایا وہ میرے بھائی ہیں۔ وہ نبی تھے اور میں بھی نبی ہوں۔'' یہ سنتے ہی عدّاس آپؐ پر جھکا اور آپ کے سر اور ہاتھوں اور قدموں کو چومنے لگا۔ اس نے کہا ''میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔''

ربیعہ کے بیٹوں نے جب یہ منظر دیکھا تو ایک دوسرے سے کہا ''لو بھئی تمہارے غلام کو بھی اس شخص نے بگاڑ دیا۔'' عدّاس واپس آیا تو انہوں نے کہا ''یہ تجھے کیا ہو گیا کہ اس شخص کا سر اور ہاتھ اور پاؤں چومنے لگا۔'' تو اس نے جواب دیا ''میرے آقا، روئے زمین پر اس سے بہتر کوئی انسان نہیں ہے، انہوں نے مجھے ایک ایسی چیز کی خبر دی جس کو نبی کے سوا کوئی نہیں جانتا۔'' انہوں نے کہا ''عدّاس اپنے دین سے نہ پھر۔ تیرا دین اس کے دین سے بہتر ہے۔''

Marfat.com

واپسی پر مکہ میں حضورؐ کا داخلہ کیسے ہوا

طائف سے واپسی پر آپ چند روز نخلہ کے مقام پر ٹھہر گئے۔ پریشان تھے کہ اب کیسے مکہ واپس جاؤں۔ طائف میں جو کچھ گزری ہے، اس کی خبریں وہاں پہنچ چکی ہوں گی۔ اس کے بعد تو کفار پہلے سے بھی زیادہ دلیر ہو جائیں گے۔ زیدؓ بن حارثہ بھی بے حد پریشان تھے۔ حضورؐ نے فرمایا ''ان حالات سے نکلنے کے لیے اللہ کوئی راستہ پیدا کر دے گا۔ وہ اپنے دین کا حامی و ناصر ہے اور اپنے نبی کو غالب کرنے والا ہے۔'' خیر حرا پہنچ کر آپؐ نے عبداللہ بن الاُریقط (یہ شخص اگرچہ مشرک تھا مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابو بکرؓ اس کو قابل اعتماد آدمی سمجھتے تھے۔ اس لیے مدینے کی طرف ہجرت کے انتہائی خطرناک موقع پر آپؐ نے راستہ بتانے کے لیے اس کو ساتھ لیا تھا اور اس نے پوری وفاداری کے ساتھ آپ کی یہ خدمت انجام دی تھی۔ حالانکہ قریش کو آپ کے سفر اور راستے کی خبر دے کر وہ بھاری انعام وصول کر سکتا تھا)۔ کو اخنس بن شریق کے پاس بھیجا تاکہ وہ آپؐ کو اپنی پناہ میں لے۔ اس نے کہا میں تو حلیف ہوں اور حلیف قریش کے اصل قبیلوں کے مقابلے میں پناہ نہیں دے سکتا۔ پھر آپؐ نے اس کو سہیل بن عمرو کے پاس بھیجا، اس نے کہا بنی عامر بن لوئی بن کعب کے مقابلہ میں پناہ نہیں دے سکتے۔ اس کے بعد آپؐ نے اس کو مطعم بن عدی کے پاس بھیجا جو بنی عبدِ مناف کی شاخ بنی نوفل میں سے تھا۔ اُریقط نے اس سے جا کر کہا کہ ''محمدؐ تم سے کہتے ہیں کہ کیا تم مجھے پناہ دینے کے لیے تیار ہو تاکہ میں اپنے ربّ کے پیغامات پہنچا سکوں؟'' اس نے جواب دیا ہاں دے سکتا ہوں وہ مکہ آ جائیں۔ چنانچہ حضورؐ شہر میں تشریف لے گئے اور رات اس کے ہاں رہے۔ صبح ہوئی تو مطعم اور اس کے چھ سات بیٹے مسلح ہو کر آپؐ کو اپنے ساتھ حرم میں لے گئے اور کہا آپ طواف کریں۔ طواف کے دوران میں وہ سب آپؐ کی حفاظت کے لیے کھڑے رہے۔ ابو جہل نے پوچھا ''پناہ دینے والے ہو یا ان کی پیروی اختیار کر لی ہے۔'' مطعم نے کہا ''نہیں بلکہ پناہ دینے والا ہوں۔'' اس نے کہا ''تمہاری پناہ کو نہیں توڑا جا سکتا۔ جسے تم نے پناہ دی اسے ہم نے پناہ دی۔

مطعم بن عدی کا یہی احسان تھا جس کی بنا پر حضورؐ نے جنگ بدر کے قیدیوں کے متعلق فرمایا تھا۔ ''اگر مطعم بن عدی زندہ ہوتا اور مجھ سے ان گھناؤنے لوگوں کے متعلق بات کرتا تو میں اس کی خاطر انہیں چھوڑ دیتا۔''

Marfat.com

آپؐ کو ایک شہر کیسے پیش کیا گیا

کہا جاتا ہے کہ طائف کی اس رات بہت سے ستارے آسمان سے غائب ہو گئے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ "مجمع النجوم" (بنات النعش، سات سہیلیوں کا جُھمکا) نہ صرف رو پڑا، بلکہ ان کی سسکیاں بھی سنائی دیں۔ یہ احمقانہ باتیں تھیں۔ میں اس رات جاگ رہا تھا، مجمع النجوم جہاں ہوتا ہے وہیں موجود تھا اور سسکاریاں بھی مجھے سنائی نہیں دیں۔ اصل واقعہ کہیں اور تھا، جب یہ وقوع پذیر ہوا تو یہ تقریباً ایک غیر معمولی واقعہ تھا۔

ایک چاندنی رات میں جب ہم عقبہ میں ایک خفیہ گھاٹی میں بیٹھے ہوئے تھے، مدینہ کے بارہ افراد رسول اللہ کو اپنا شہر پیش کرنے آ گئے۔ میں نے ان میں سے کسی کو اس سے پہلے نہیں دیکھا تھا۔ نہ ہی ان کی آمد متوقع تھی۔ مگر ان کی آمد کی وجہ بڑی معقول تھی، انہیں اپنے ہاں ایک ایسی شخصیت کی ضرورت تھی جو جھگڑا فساد ختم کرا سکے، جو انصاف کر کے حقیقی امن قائم کر سکے۔ مدینے میں، جو اس وقت "یثرب" (یعنی بیماریوں کا گھر) کہلاتا تھا، وہاں "اوس" اور "خزرج" نام کے دو قبیلے رہتے تھے اور مسلسل آپس میں پنجہ آزمائی کرتے رہتے تھے۔ اوس کے ہر فرد کے سینے پر خزرج کے کسی نہ کسی فرد کا لگایا ہوا زخم تھا۔ جبکہ خزرج کے ہر فرد کا دل اوس کے کسی فرد کی زیادتیوں کی وجہ سے زخمی تھا۔ انہوں نے رسول اللہ کے بارے میں سنا تھا جو اخوت اور بھائی چارے کی تبلیغ کرتے تھے۔ اب وہ مصالحت کے لئے آپؐ کی خدمات حاصل کرنے کے متمنی تھے۔ انہیں آپؐ کے مدینے سے تعلق کے بارے میں بھی علم تھا کیونکہ آپ کے والدین مدینہ میں ہی دفن تھے۔ ان دونوں کا انتقال چھ برس کے وقفے سے ہوا تھا۔ پہلے والد نے اور بعد میں والدہ نے وفات پائی۔ اس لیے آپؐ کی مٹی پہلے ہی ان کی

Marfat.com

مٹی سے ملی ہوئی تھی۔

آپؐ بڑی ہمدردی اور صبر سے ان کی باتیں سنتے رہے۔ اب وہ آپؐ کو وہ سب کچھ دینے کی پیشکش کر رہے تھے، جو اہل طائف سے آپؐ نے مانگا تھا۔ یعنی رہنے کے لیے جگہ اور تبلیغ کے لیے پُرامن ماحول۔ یہ آپؐ کی شان و مرتبے سے فروتر تھا کہ فوراً حامی بھر لیتے۔ آپؐ نے ان سے اصرار کیا کہ وہ آپ کو سمجھیں اور اپنے حالات پر بھی غور کر لیں۔ آپ نے ان سے کہا کہ وہ سرِ دست مصعبؓ کو آپؐ کے ایلچی کے طور پر قبول کریں جو مدینے جا کر تبلیغ کریں گے اور انہیں اسلام سمجھائیں گے۔ اہل مدینہ کی خاصی تعداد ہمخیال ہو جائے تو وہ لوگ اگلے سال آ کر اپنے حالات سے آگاہ کریں۔

سال ختم ہونے میں ہی نہیں آ رہا تھا، ایسے محسوس ہوا جیسے پانچ سال گزر چکے ہوں ہم سانس روک کر انتظار کی گھڑیاں گن رہے تھے۔ یہ خوف بھی دامنگیر تھا کہ وہ واپس آئیں گے بھی یا نہیں، کہیں یہ سب کچھ محض خواب نہ ہو۔ ہم افسردہ اور غمزدہ تھے۔ ابولہب اب بھی اس خیال میں مگن تھا کہ اس کا کوڑا اور زور بازو اس کے خداؤں کے وجود کو ثابت کرنے کے لیے کافی ہے۔ ہم اپنے اپنے گھروں میں محصور تھے۔ بعض کمزور ایمان والے مسلمانوں نے دبی زبان سے شکوہ کرنا شروع کر دیا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ضرورت سے زیادہ خوداعتمادی کے باعث خدا کی طرف سے بھیجی ہوئی امداد ہاتھ سے نکال دی، جیسے کہ چاندنی رات کو ملاقات کے لیے آنے والے بارہ فرشتے ہوں، درجن بھر عرب نہ ہوں۔ لیکن محمدؐ جو اپنے آدمیوں کی خوبیوں اور خامیوں، دونوں سے آگاہ تھے، جانتے تھے کہ مدینے سے آنے والی دعوت آسمان سے لٹکایا گیا رسّہ نہیں تھی۔ اگرچہ آپؐ بوقت ضرورت اس رسّے کو استعمال کر سکتے تھے۔ پہلے اس کی مضبوطی کو آزمانا ضروری تھا، اور وہ آزمالی گئی۔

اہل مدینہ عین مقررہ وقت پر اور مقررہ جگہ عقبہ کی گھاٹی میں واپس آ پہنچے اور ایسے دبے قدموں سے آئے جیسے بھٹ تیتر کوئی آواز پیدا کیے بغیر ریت پر چلتا ہے، یہ تشبیہہ مصعبؓ بن عمیر نے دی تھی۔ لیکن آنے والے 12 نہیں 75 تھے، ان کی تعداد اتنی ہی تھی جتنی ہم مکہ والوں

Marfat.com

کی تھی۔ جب میں نے اتنے زیادہ آدمی دیکھے تو مجھے شبہ ہونے لگا کہ کہیں یہ جال تو نہیں بچھا دیا گیا۔ ان دنوں ہم ذرا ذرا سی چیزوں سے گھبرا اٹھتے تھے۔ پھر مجھے زیورات کی جھنکار سنائی دی، پتہ چلا کہ ان کے ہمراہ چند خواتین بھی آئی ہوئی ہیں یہ ایک حوصلہ افزا بات تھی۔ کیونکہ عورتوں کی موجودگی میں کیے گئے وعدے، دوگنا مضبوط سمجھے جاتے تھے۔

پہلے مردوں کی طرف سے اصرار تھا، اب ان کے ساتھ ساتھ عورتیں بھی اصرار کر رہی تھیں کہ رسول اللہ ان کے ہمراہ چلیں، وہیں قیام کریں اور ان کے درمیان فیصلے کرائیں۔ آپؐ کچھ سوچنے لگے، خاصا لمبا توقف تھا، سب کی نظریں آپؐ کے رُخِ انور پر مرکوز تھیں، اس وقت ہمیں وہ کچھ معلوم نہیں تھا جو اب ہمیں معلوم ہے۔ یہ وقفہ واقعی بڑے زمانے کا وقفہ تھا اس میں ہماری دنیا کا مستقبل پنہاں تھا، یہ ایک تاریخ تھی، یہ قوتوں کا اجتماع تھا۔ یہ اس قوم کے مستقبل کے لمحات تھے جس نے خدا کے لیے زندہ رہنے یا مرنے کا عہد کر رکھا تھا، ہم سب کی زندگی اس فیصلے سے تعلق رکھتی تھی جو کہ پیغمبر خدا اس لمحے میں صادر کرنے والے تھے، جس کا اظہار آپ نے سر کی ایک جنبش سے کر دیا۔

آپؐ نے ان سے چند وعدے لیے، تاریخ ان وعدوں کو بیعتِ عقبہ کے نام سے پکارتی ہے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ان لوگوں نے یہ وعدے اپنے خون سے لکھ دیے ہیں۔ اُن پر ہر فرد نے اپنی مہر ثبت کی ہے اور حلف اٹھا کر اس کی توثیق کی ہے۔ جو کچھ میں نے سنا وہ یہ تھا کہ ان سے لیے گئے وعدے ایک شریفانہ درخواست کی طرح لگتے تھے۔

آپؐ نے ان سے کہا مجھے یقین دلاؤ کہ:

صرف ایک خدا کی عبادت کرو گے۔

اپنی عورتوں سے بدسلوکی نہیں کرو گے۔

اور بیٹیوں کو قتل نہیں کرو گے۔

نہ جھوٹ بولو گے نہ چوری کرو گے۔

خدا کی شریعت کی پابندی کرو گے۔

اور میری اور میرے ہمراہیوں کی دل و جان سے حفاظت کرو گے۔

آپؐ نے انہیں یہ بات بھی صاف صاف بتا دی کہ اگر آپؐ اُن کے ہمراہ رہنے چلے

Marfat.com

گئے تو آپ صرف اُنہی کے ہو کر نہیں رہ جائیں گے۔ آپ کا دل ہر کسی کے لیے کھلا رہے گا، آپ کسی ایک قبیلے، کسی ایک نسل یا کسی ایک رنگ والوں کا انتخاب نہیں کریں گے۔

تاہم جو کچھ آپؐ فی الحقیقت مانگ رہے تھے۔ اس کے لیے اتنی نرمی سے ادا ہونے والے ایسے الفاظ میں نے کبھی نہیں سنے جن کے معنی اتنے سخت اور دوٹوک ہوں۔ آپ ان سے کہہ رہے تھے کہ وہ اپنے بتوں کو اگر وہ لکڑی کے ہوں تو جلا دیں اور پتھر کے ہوں تو انہیں توڑ دیں۔ ان خداؤں کو باقی ماندہ عرب دنیا سے نکال دیا جائے اور ضرورت پڑے تو آپ کی طرف سے جہاد کریں۔ وہ جانتے تھے جیسا کہ مصعب نے انہیں بتایا تھا کہ اپنی املاک میں دوسروں کو شریک کریں۔ حتیٰ کہ کسی درخت سے کینون اتارا جائے تو اس میں بھی دوسروں کو حصہ دیں۔

انہوں نے آپؐ سے صرف ایک سوال پوچھا۔

''اس کے بدلے ہمیں کیا ملے گا؟''

آپ نے جواب دیا کہ ''جنت۔''

پھر آپ نے ان میں سے ہر ایک کے ساتھ ہاتھ ملایا، عورتوں کی طرف صرف سر ہلایا۔ کیونکہ کسی دوسرے شخص کی بیوی کے بدن کو مس کرنا ناجائز ہے۔

یہ تھیں بیعتِ عقبہ کی شرائط۔ عقبہ پہاڑیوں کے درمیان ایک سوکھی گودی تھی۔ لیکن میں وہی کچھ ہوں جسے آپ سب جانتے ہیں میں ایک سیاہ فام ہوں جو افریقہ سے آیا تھا۔ میرا خیال ہے کہ اس رات ہم کسی ایک جگہ پر نہیں تھے، بلکہ اللہ تعالیٰ کی رحمتوں کے عین وسط میں تھے۔ عقبہ سے اٹھنے والی اسلام کی آواز نے ایک قوم کو جنم دیا جس کے لیے پیغمبرِ خدا ایک شریعت دہندہ بن گئے۔

نوٹ از مترجم:

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں ہجرت الی المدینہ سے قبل کے چند واقعات اور بیعت عقبہ کا ذرا تفصیل سے جائزہ لیا جائے اور اوس اور خزرج قبیلوں کی مختصر تاریخ بیان کر دی جائے:

Marfat.com

اَوس وخزرج کی ابتدائی تاریخ

[450 یا 451 عیسوی میں سدِ مارِب کے پھٹنے سے جو سیلاب عظیم یمن میں برپا ہوا تھا، اس کی وجہ سے قوم سبا کا ایک شخص عمرو بن عامر اپنے بال بچوں کو لے کر شمال کی طرف منتقل ہو گیا تھا۔ اس کے ایک بیٹے جُفْنَہ کی اولاد شام کے علاقے میں آباد ہوئی اور غسّان کے نام سے اُس نے شہرت پائی۔ دوسرے بیٹے حارثہ نے حجاز کے پہاڑوں اور بحر احمر کے ساحل کے درمیان اُس طویل میدانی علاقہ میں سکونت اختیار کی جو تہامَہ کہلاتا ہے۔ اس کی اولاد خُزاعَہ کے نام سے مشہور ہے۔ تیسرے بیٹے ثَعْلَبَہ کی اولاد میں ایک شخص حارثہ تھا جس کے دو بیٹے ایک ہی بیوی قَیْلَہ کے بطن سے تھے، ایک کا نام اوس اور دوسرے کا خَزْرَج۔ ان کی اولاد یثرب (مدینہ) میں جا کر آباد ہوئی جہاں پہلے سے یہودی قبضہ جمائے ہوئے تھے۔ ایک مدت تک یہودیوں نے اوس اور خزرج کی اولاد کو اصل شہر اور اس کی سرسبز و شاداب زمینوں میں نہ گھسنے دیا اور یہ لوگ اطراف کی بنجر زمینوں میں تنگی تُرشی کے ساتھ زندگی بسر کرتے رہے۔ آخر کار انہوں نے اپنے ہم نسب غسّانیوں سے مدد مانگی۔ وہ فوج لے کر آئے اور یہودیوں کو زبردستی شہر سے نکال کر اَوس خَزرج کو اُس پر قبضہ دلوایا۔ یہودیوں کے دو قبیلے بنی قُریْظَہ اور بنی نَضِیر، اطراف شہر میں بسنے پر مجبور ہوئے، اور ایک قبیلے بنی قَیْنُقَاع نے قبیلہ خَزْرَج کی پناہ لے کر شہر کے ایک محلے میں سکونت اختیار کی۔ نبی قریظہ اور نبی نضیر نے جب دیکھا کہ ان کا حریف قبیلہ بنی قینقاع، خزرج کا حلیف بن گیا ہے، تو انہوں نے قبیلہ اوس سے معاہدہ کر کے اس کو اپنا حلیف بنا لیا۔ اس کے بعد اوس و خزرج پونے دو سو برس تک یہودیوں کے ساتھ ایک ہی شہر اور اس کے نواح میں آباد رہے۔ اس دوران میں یہ دونوں عرب قبیلے، ہم نسب ہونے کے باوجود، اور آپس میں شادی بیاہ کے رشتے ہونے کے باوجود، جاہلیت کی بنا پر خود بھی باہم لڑتے رہے اور یہودی قبیلے اپنے اپنے حلیف قبیلوں کو ایک دوسرے سے لڑاتے بھی رہے، کیونکہ ان کی آپس کی جنگ ہی میں وہ اپنی خیر دیکھتے تھے، اور ان کے اتحاد کے اپنے لیے موت کا پیغام سمجھتے تھے۔ اس طرح پونے دو صدیوں میں ان کے درمیان چھوٹی موٹی لڑائیوں کے علاوہ خونریز معرکے برپا ہوئے جن میں سے آخری معرکہ یوم بعاث ہجرت سے

Marfat.com

صرف پانچ سال پہلے (یعنی 8 بعدِ بعثت مطابق 618) پیش آیا تھا اور دونوں قبیلوں کے بڑے بڑے سرداروں میں مارے گئے تھے۔ لیکن ان لڑائیوں بھڑائیوں کے باوجود اہلِ مدینہ پر یہودیوں کا مذہبی اثر اتنا زیادہ تھا کہ جس عورت کے بچے پیدا ہو کر مر جاتے وہ منت مانتی تھی کہ اب جو بچہ پیدا ہو گا اسے یہودی بناؤں گی۔

ان حالات کی وجہ سے اوس وخزرج پر تین اہم اثرات مرتب ہوئے تھے جنھوں نے دوسرے تمام عرب قبائل کے برعکس اُن کو قبولِ اسلام کے لیے ذہنی طور پر پہلے ہی مستعد کر رکھا تھا، اور اُس کا موقع سامنے آتے ہی اُنہی اسباب کی وجہ سے یہ لوگ اِس دین اور اس کے داعی سیّدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اِس طرح لپکے جیسے پیاسا پانی کی طرف لپکتا ہے۔

ان میں سے پہلا اثر یہ تھا کہ ایک مدت دراز سے یہودیوں کے ساتھ میل جول کے باعث اُن کے کان نبوت، وحی، کتاب، شریعت وغیرہ الفاظ اور ان کے معانی سے آشنا ہو چکے تھے، اِس وجہ سے اُن کے لیے یہ چیزیں اُتنی غیر مانوس نہ تھیں جتنی دوسرے اہلِ عرب کے لیے تھیں۔

دوسرا اثر یہ تھا کہ اپنے ہمسایہ یہودیوں کی باتوں سے اُن کو اکثر یہ معلوم ہوتا رہتا تھا کہ یہ لوگ بڑی بے چینی کے ساتھ ایک نبی کی آمد کے منتظر ہیں جس کے آنے کی پیشین گوئیاں ان کی کتابوں میں لکھی ہوئی ہیں۔ وہ دعائیں مانگا کرتے تھے کہ جلدی سے وہ آئے تو غیر یہودی قوموں کا غلبہ مٹے اور ہمارے عروج کا دور شروع ہو۔ خصوصیت کے ساتھ جب کبھی اوس وخزرج کے ساتھ ان کی جھڑپ ہوتی تو وہ کہتے تھے کہ عنقریب ایک نبی آنے والا ہے، وہ جب آئے گا تو ہم اُس کی پیروی کریں گے اور اس کے ساتھ ہو کر تم ایسا ماریں گے جیسے عاد و ارم مارے گئے تھے۔

یہودیوں کی ان باتوں سے اوس وخزرج کے لوگوں میں یہ جذبہ پیدا ہو گیا تھا کہ اگر وہ نبی آئے تو سب سے پہلے آگے بڑھ کر وہی اس کی پیروی اختیار کر لیں تاکہ یہودی ان پر سبقت نہ لے جانے پائیں۔

تیسرا اثر یہ تھا کہ اپنی تباہ کن خانہ جنگی سے وہ بہت تنگ آئے ہوئے تھے اور کسی ایسی قیادت کے طلبگار تھے جو ان میں وحدت و اُخوت پیدا کر دے۔ قرآن مجید میں ان کی اس حالت کی طرف بھی اشارہ کیا گیا ہے:

Marfat.com

''اور تم آگ سے بھرے ہوئے ایک گڑھے کے کنارے پر تھے، اللہ نے اس سے تمہیں بچایا۔'']

اپنی اسی مصیبت کا علاج کرنے کے لیے اہلِ مدینہ یہاں تک تیار ہو گئے تھے کہ خزرج کے رئیس عبداللہ بن اُبیّ کو اپنا بادشاہ بنالیں تا کہ ان کا یہ آپس کا تفرقہ مٹے اور ایک شخص کی سیادت پر وہ سب جمع ہو جائیں۔ اِن حالات میں آخر کار وہ نعمت اُن کے سامنے آ گئی جس کے درحقیقت وہ طلبگار تھے۔

مدینے کے اوّلین شخص کی حضور سے ملاقات

مدینے کے سب سے پہلے شخص جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملے وہ سوید بن صامت تھے۔ وہ اپنی قابلیت، بہادری، شعر وسخن اور شرف ونسب کی بنا پر اپنی قوم میں کامل کہلاتے تھے۔ جو شخص اپنی قوم میں باعزت اور صاحب عقل درائے ہوتا، لکھنا پڑھنا بھی جانتا، تیراندازی اور تیراکی میں بھی ماہر ہوتا۔ اُس کو جاہلیت کے زمانے میں ''کامل'' کہا جاتا تھا۔ سوید کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے رشتہ داری بھی تھی۔ اُن کی ماں لیلیٰ بنت عمرو حضور کے دادا کی والدہ سلمیٰ بنت عمرو کی سگی بہن تھیں۔ وہ حج یا عمرے کے لیے مکے آئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے قاعدے کے مطابق ان سے ملے اور ان کے سامنے اپنی دعوت پیش کی۔ انہوں نے کہا شاید آپؐ کے پاس بھی وہی چیز ہے جو میرے پاس ہے، حضورؐ نے پوچھا آپ کے پاس کیا چیز ہے، انہوں نے کہا مجلّۂ لقمان، یعنی حکمتِ لقمان حضورؐ نے فرمایا وہ مجھے سنایئے۔ انہوں نے اسے پڑھ کر سنایا۔ آپؐ نے فرمایا ''یہ اچھا کلام ہے مگر میرے پاس جو چیز ہے وہ اس سے افضل ہے۔ وہ قرآن ہے جو اللہ تعالیٰ نے مجھ پر نازل کیا ہے، وہ ہدایت اور نور ہے۔'' پھر حضورؐ نے ان کو قرآن سنایا اور اسلام کی دعوت دی۔ انہوں نے اس پر اظہارِ پسندیدگی کرتے ہوئے کہا کہ واقعی یہ ایک اچھا کلام ہے۔ اس کے بعد وہ مدینے واپس گئے اور کچھ مدت بعد خزرج نے انہیں قتل کر دیا۔ یہ جنگ بُعاث سے پہلے کا واقعہ ہے۔

مدینے کے ایک دوسرے وفد سے ملاقات

جنگ بُعاث سے پہلے، جب کہ اوس وخزرج کے درمیان عداوت کی آگ بھڑک

Marfat.com

اٹھنے کے لیے تیار تھی۔ اوس کی ایک شاخ بنی عبدالاشہل کا ایک وفد ابوالحیسر اُنس بن رافع کی قیادت میں مکے آیا تاکہ خزرج کے مقابلے میں قُریش کو اپنا حلیف بنانے کی کوشش کرے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان لوگوں کی آمد کا علم ہوا تو آپ اُن سے ملنے کے لیے تشریف لے گئے اور ان سے فرمایا ''کیا تم اس سے بہتر چیز قبول کرنا پسند کرو گے جس کے لیے تم آئے ہو؟'' انہوں نے کہا وہ کیا ہے؟ آپؐ نے فرمایا ''میں اللہ کی طرف سے اُس کے بندوں کی طرف بھیجا ہوا رسول ہوں۔ ان کو یہ دعوت دینے آیا ہوں کہ اس کے سوا کسی کی بندگی نہ کریں اور نہ اُس کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرائیں۔ میرے اُوپر ایک کتاب نازل کی گئی ہے۔'' پھر آپؐ نے ان کو اسلام کی تعلیمات بتائیں، اور قرآن سنایا۔ وفد میں ایک نوجوان ایاس بن معاذ بھی تھے۔ انہوں نے حضورؐ کی باتیں سن کر کہا ''لوگو! واللہ یہ چیز اُس سے بہتر ہے جس کے لیے تم آئے ہو۔'' مگر ابوالحیسر نے بطحاء کی مٹی اٹھا کر ان کے منہ پر ماری اور کہا ''ہمیں ان باتوں سے معاف کرو، ہم کسی اور کام کے لیے آئے ہیں۔'' ایاس چپ ہو گئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اٹھ کر تشریف لے گئے۔ اِن لوگوں کے مدینہ واپس جانے کے بعد جنگ بعاث پیش آ گئی۔ اور اس پر کچھ زیادہ مدت نہ گزری تھی کہ ایاس کا انتقال ہو گیا۔ ان کی موت کے وقت جو لوگ موجود تھے ان کا بیان ہے کہ آخر وقت تک وہ ان کی زبان سے اللہ کی تہلیل وتکبیر اور حمد وتسبیح سُنتے رہے۔ اِس لیے ان کو اس امر میں کوئی شک نہ تھا کہ ایاس اُس مجلس سے اسلام قبول کر کے آئے تھے اور انہوں نے اسلام ہی پر جان دی۔

ہمیں یہ بھی معلوم ہوا: کہ بنی عبدالاشہل کا یہ وفد مکہ میں عتبہ بن ربیعہ کے پاس ٹھہرا تھا جس نے ان لوگوں کا بڑا اکرام واعزاز کیا۔ مگر جب انہوں نے اس حلیفانہ معاہدے کی بات کی تو اس نے یہ کہہ کر ٹال دیا کہ ہمارا علاقہ آپ کے علاقے سے بہت دور ہے۔ آپ کی طرف سے مدد کی درخواست آئے تو ہمارے پہنچتے پہنچتے دشمن اپنا کام کر جائے گا، اور یہی حال ہمارے معاملے میں ہو گا۔ ایک روایت میں ہے کہ جب ایاس بن معاذ نے اسلام قبول کر لینے کا مشورہ دیا تو ابوالحیسر نے اس پر مٹی پھینکتے ہوئے کہا کہ ہم آئے تھے کہ قریش کو اپنے دشمنوں کے خلاف حلیف بنانے کے لیے اور تم چاہتے ہو کہ ہم قریش کو بھی دشمن بنا کر

Marfat.com

واپس جائیں۔ تاہم معلوم ہوا کہ بعد میں ایاس مسلمان ہو گیا تھا اس کی گواہی دینے والوں میں محمد بن مسلمہ، سلمہ بن سلامہ بن وقش اور ابوالہیثم بن التیہان تھے۔

انصار قبولِ اسلام اور پہلی بیعتِ عقبہ

11 بعدِ بعثت (620ء) کے زمانۂ حج میں حضورؐ اپنے قاعدے کے مطابق قبائل عرب سے ملاقات کے لیے منیٰ کی طرف نکلے اور پھرتے پھراتے عقبہ کے قریب قبیلہ خزرج کے ایک گروہ کے پاس پہنچے۔ آپؐ نے ان سے پوچھا ''آپ کون لوگ ہیں؟'' انہوں نے کہا ''ہم خزرج کے چند افراد ہیں۔'' فرمایا ''کیا آپ لوگ بیٹھیں گے کہ میں آپ سے کچھ بات کروں؟'' انہوں نے کہا ضرور۔ چنانچہ وہ حضورؐ کے پاس بیٹھ گئے۔ آپؐ نے انہیں اللہ کی طرف دعوت دی۔ اسلام ان کے سامنے پیش کیا اور انہیں قرآن سنایا۔ ان لوگوں نے آپس میں کہا ''بھائیو! جان لو کہ یہ وہی نبی ہیں جن کی آمد کے ڈراوے یہودی تمہیں دیا کرتے تھے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ تم سے سبقت لے جائیں۔'' چنانچہ پورے اطمینان کے ساتھ انہوں نے آپؐ کی دعوت قبول کر لی، آپؐ کی تصدیق کی اور اسلام جو آپ نے ان کے سامنے پیش فرمایا تھا اُس پر ایمان لے آئے۔ پھر انہوں نے عرض کیا کہ ''ہم نے اپنی قوم کو اس حالت میں چھوڑا ہے کہ کوئی قوم ایسی نہ ہوگی جس میں اس سے زیادہ باہمی عداوت پائی جاتی ہو۔ شاید کہ اللہ تعالیٰ آپؐ کی وجہ سے اُن کو جمع کر دے۔ ہم اُن کے پاس واپس جاتے ہیں اور آپؐ کی طرف اُنہیں دعوت دیتے ہیں اور وہ دین اُن کے سامنے پیش کرتے ہیں جو ہم نے قبول کیا ہے۔ اگر اللہ نے ان کو آپ پر جمع کر دیا تو کوئی شخص آپؐ سے زیادہ طاقتور نہ ہوگا۔'' بعض لوگوں نے اس بات کو یوں بیان کیا ہے کہ بیعت کے بعد حضورؐ نے اِن لوگوں سے فرمایا ''کیا تم میری پُشت پناہی کرو گے تاکہ میں اپنے رب کا پیغام پہنچاؤں؟'' انہوں نے عرض کیا 'یا رسول ابھی ابھی ہمارے ہاں جنگِ بُعاث ہو چکی ہے۔ اس حالت میں اگر آپؐ تشریف لے گئے تو آپؐ پر لوگوں کا جمع ہونا مشکل ہوگا۔ فی الحال آپؐ ہمیں اپنے لوگوں کی طرف واپس جانے دیجئے۔ شاید کہ اللہ تعالیٰ ہمارے باہمی تعلقات درست فرما دے اور ہم لوگوں کو اُس چیز کی طرف دعوت دیں جس کی طرف آپؐ نے ہمیں دعوت دی ہے۔ ہوسکتا ہے کہ اللہ ان کو آپ پر

Marfat.com

جمع کردے۔ پھر آپ سے زیادہ طاقت ور کوئی نہ ہوگا۔ اب ہم آئندہ سال آپ سے حج میں ملیں گے۔"

مدینے کا دوسرا وفد اور دوسری بیعت عقبہ

عقبہ کے مقام پر اسلام قبول کرنے والے یہ اولین اصحاب جب مدینے واپس پہنچے تو انہوں نے وہاں اسلام کا چرچا شروع کردیا یہاں تک کہ انصار کے محلوں میں سے کوئی محلہ ایسا باقی نہ رہا جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر نہ ہونے لگا ہو۔ پھر دوسرے سال (یعنی ۱۲ بعد بعثت میں) حج کے موقع پر مدینے کے ۱۲ آدمی حضورؐ سے اُسی عقبہ کے مقام پر ملے جہاں گذشتہ سال خزرج کے لوگوں کی ملاقات ہوئی تھی۔ ان میں پانچ آدمی تو وہی تھے جو پچھلے سال مسلمان ہوئے تھے (جابر بن عبداللہؓ بن رناب اِس سال نہیں آئے تھے) باقی سات آدمیوں میں سے 5 خزرج کے اور دو اوس کے تھے۔

ان لوگوں سے حضورؐ نے اس موقع پر جو بیعت لی وہ "بیعتِ نساء" کے نام سے مشہور ہے، کیونکہ وہ اُس بیعت کے الفاظ سے بہت مشابہ ہے جو اس واقعہ کے کئی سال بعد قرآن مجید، سورہ الممتحنۃ، آیت ۱۲ میں مسلمان عورتوں سے بیعت لینے کے لیے تجویز کیے گئے۔ حضرت عبادہ بن صامت کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے اس بات پر بیعت لی کہ:

ترجمہ: "ہم اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں گے، چوری نہ کریں گے، نہ زنا کریں گے، اپنی اولاد کو قتل نہ کریں گے، کسی پر جھوٹا الزام نہ لگائیں گے اور یہ کہ کسی امرِ معروف میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی نہ کریں گے اور آپؐ کا حکم سنیں گے اور مانیں گے خواہ ہم خوشحال ہوں یا تنگ حال اور خواہ وہ حکم ہمیں گوارا ہو یا ناگوار اور خواہ ہم پر کسی کو ترجیح دی جائے اور ہم حکومت کے معاملہ میں اہلِ حکومت سے نزاع نہ کریں گے۔

مصعبؓ بن عمیر کی مدینہ روانگی

جب یہ لوگ مدینے واپس جانے لگے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ساتھ

Marfat.com

حضرت مصعب بن عمیر کو بھیجا تاکہ ان کو قرآن کی تعلیم دیں، اسلام سکھائیں اور ان کے اندر دین کی سمجھ پیدا کریں۔ چنانچہ مدینے جا کر حضرت مصعبؓ، اسعدؓ بن زرارہ کے ہاں ٹھہر گئے۔ اس کے برعکس ایک روایت یہ ہے کہ ان لوگوں نے مدینے جانے کے بعد معاذ بنؓ عفراء اور رافعؓ بن مالک کو اس غرض کے لیے حضورؐ کے پاس بھیجا تھا کہ آپ کسی ایسے شخص کو بھیج دیں جو ہمیں دین سکھائے اور اس درخواست پر آپؐ نے حضرت مصعبؓ کو روانہ کیا تھا۔ اِس سے ذرا مختلف یہ روایت ہے کہ اِن لوگوں نے حضورؐ کو لکھا کہ ہمیں دین کی تعلیم دینے کے لیے کسی کو بھیج دیجیے، اس پر مصعبؓ بن عمیر بھیجے گئے۔

اس دوسری بیعت عقبہ کے بعد واپس جا کر انصارؓ کے لوگوں نے مصعبؓ بن عمیر کی قیادت میں بڑی تیزی کے ساتھ اسلام پھیلانا شروع کیا۔ بنی عبدالاشہل میں سے عباد بنؓ بشر بن وقش اور ان کے حلفاء میں سے محمد بن مسلمہؓ نے حضرت مصعبؓ کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا۔ اس کے بعد بنی عبدالاشہل کے سردار سعد بن معاذ اور اُسید بن حُضیر ایک ہی دن اُن کے ہاتھ پر مسلمان ہوئے اور اُن کے اسلام قبول کرتے ہی ان کا پورا قبیلہ مسلمان ہو گیا، حتیٰ کہ بنی عبدالاشہل کے محلے میں ایک بھی غیر مسلم نہ رہا۔

حضرت سعدؓ اور حضرت اُسیدؓ کے مسلمان ہونے کا بہت دلچسپ قصہ مشہور ہے:

ایک روز اسعد بن زرارہ حضرت مصعب کو ساتھ لے کر بنی ظفر (قبیلہ اوس کی ایک شاخ) کے باغوں میں سے ایک باغ میں گئے اور وہاں وہ متعدد اصحاب جمع ہو گئے جو مسلمان ہو چکے تھے۔ اس کی اطلاع جب سعد بن معاذ اور اُسید بن حضیر کو پہنچی تو سعد نے اُسید سے کہا کہ ''ذرا اِن دونوں آدمیوں (یعنی اَسعدؓ اور مصعبؓ) کے پاس جاؤ جو ہماری بستیوں میں آ کر ہمارے کمزور لوگوں کو بے وقوف بنا رہے ہیں اور ان کو ڈانٹ کر ہمارے علاقے میں آنے سے منع کردو۔ اگر اسعد بن زرارہ کا معاملہ نہ ہوتا تو میں خود جاتا، مگر تم جانتے ہو کہ وہ میرا خالہ زاد بھائی ہے اور میں اُس کا سامنا کرنے سے بچنا چاہتا ہوں۔'' اس پر اُسید اپنا نیزہ لیے ہوئے وہاں پہنچے۔ اسعد نے اُن کو آتے دیکھ کر مصعب سے کہا ''یہ اپنی قوم کا سردار آ رہا ہے۔ اس کے معاملہ میں ٹھیک اللہ کی بات پہنچانے کا حق ادا کردو۔''

حضرت مصعب نے کہا اگر یہ بیٹھ گئے تو میں بات کروں گا۔ اُسید ان کے سامنے آ کر

Marfat.com

بڑے دُرشت انداز میں کھڑے ہو گئے اور بولے ''کیا چیز تم دونوں کو یہاں لائی؟ تم ہمارے کمزور لوگوں کو بے وقوف بناتے ہو۔ اگر اپنی جان کی خیر چاہتے ہو تو اِدھر کا رُخ نہ کرنا۔'' مصعبؓ نے کہا ''کیا آپ بیٹھ کر ہماری بات نہ سنیں گے؟ اگر پسند آئے تو قبول کر لیجیے۔ نہ پسند آئے تو جو کام آپ کو ناپسند ہو گا وہ نہ کیا جائے گا۔'' اُسید نے کہا یہ تم نے انصاف کی بات کی، اور اپنا نیزہ زمین میں گاڑ کر اُن کے پاس آ بیٹھے۔ حضرت مصعبؓ نے ان کو اسلام کی تعلیمات بتائیں اور قرآن پڑھ کر سنایا۔ حضرت اسعدؓ اور حضرت مصعبؓ دونوں کا بیان ہے کہ خدا کی قسم، اُسید کے چہرے کی بشاشت اور ان کے اندازِ کلام کی نرمی دیکھ کر ہم سمجھ گئے کہ اسلام ان کے اندر اُتر گیا ہے۔ پوری بات سُننے کے بعد انہوں نے کہا ''کیسا عمدہ اور حسین کلام ہے یہ۔ تم لوگ جب اس دین میں داخل ہوتے ہو تو کیا کرتے ہو؟'' دونوں نے کہا ''غسل کر کے اپنے جسم کو پاک کر لیجیے، اور اپنے کپڑے بھی پاک کیجیے، پھر حق کی شہادت دیجیے، اور اس کے بعد نماز پڑھیے۔'' وہ اسی وقت اُٹھے، پاک صاف ہو کر آئے، کلمۂ شہادت ادا کیا اور دو رکعت نماز پڑھ لی۔ پھر کہنے لگے کہ ''میرے پیچھے ایک آدمی ہے جو اگر تمہاری پیروی اختیار کر لے تو اس کی قوم میں سے ایک آدمی بھی اس کے خلاف نہ چلے گا۔ میں جا کر اسے تمہارے پاس بھیجتا ہوں۔'' یہ کہہ کر اُسید رضی اللہ عنہ اپنا نیزہ لے کر سعد بن معاذ کی طرف چلے جن کے پاس قبیلے کے کئی لوگ بیٹھے ہوئے تھے۔ سعد نے ان کو آتے دیکھ کر کہا ''میں خدا کی قسم کھاتا ہوں کہ یہ وہ چہرہ نہیں ہے جسے لیے ہوئے اُسید گئے تھے۔''۔

حضرت اُسید جب آ کر مجلس کے سامنے کھڑے ہوئے تو سعد نے پوچھا کیا کر آئے؟ اُنہوں نے کہا ''میں نے دونوں آدمیوں سے بات کی، مجھے تو ان میں کوئی خرابی نظر نہ آئی۔ میں نے ان کو منع کیا تو انہوں نے جواب دیا جو کچھ آپ چاہتے ہیں ہم وہی کریں گے۔'' پھر حضرت اُسیدؓ نے کہا ''میں نے سنا ہے کہ بنی حارثہ اسعدؓ بن زُرارہ کو قتل کرنے کے لیے نکلے ہیں۔ اس لیے کہ وہ جانتے ہیں کہ اسعد تمہارا خالہ زاد بھائی ہے اور وہ تمہاری تذلیل کرنا چاہتے ہیں۔'' یہ سنتے ہی سعد غصے میں فوراً اُٹھے اور اپنا نیزہ لے کر تیزی سے چلے تا کہ بنی حارثہ کا ہاتھ پڑنے سے پہلے اپنے بھائی تک پہنچ جائیں۔ چلتے ہوئے اُنہوں نے اُسیدؓ سے کہا ''واللہ، میں سمجھتا ہوں کہ تمہارے بھیجنے کا کوئی فائدہ نہ ہوا۔'' حضرت اسعدؓ نے دور سے ان کو آتے دیکھ کر

Marfat.com

حضرت مصعب سے کہا یہ ایسا سردار ہے جس کے پیچھے اس کی ساری قوم ہے۔ یہ مسلمان ہو گیا تو کوئی دو آدمی بھی ایسے نہ رہیں گے جو اس کی قوم میں سے اسلام قبول نہ کر لیں۔

وہاں پہنچ کر جب سعد نے دیکھا کہ اسعدؓ اور مصعبؓ دونوں اطمینان سے بیٹھے ہیں تو سمجھ گئے کہ اُسیدؓ کا مقصد دراصل مجھے ان کی بات سنوانا تھا۔ وہ غضبناک انداز میں آ کر کھڑے ہوئے اور اسعدؓ بن زرارہ سے کہا ''ابو امامہ، بخدا اگر میرے اور تمہارے درمیان قرابت نہ ہوتی تو یہ شخص (یعنی حضرت مصعبؓ) مجھ سے نہ بچ سکتا تھا۔ کیا تو ہمارے گھر میں ہم پر اُس چیز کو مُسلط کرنا چاہتا ہے جو ہمیں پسند نہیں ہے؟'' حضرت مصعبؓ نے کہا ''کیا آپ بیٹھ کر ہماری بات نہ سُنیں گے؟ پسند آئے تو قبول کر لیجیے۔ پسند نہ آئے تو ہم آپ سے اُس چیز کو دور رکھیں گے جو آپ کو پسند نہیں ہے۔'' سعدؓ نے کہا یہ تم نے انصاف کی بات کہی پھر اپنا نیزہ انہوں نے زمین میں گاڑ دیا اور بیٹھ گئے۔ حضرت مصعب نے اُن کے سامنے اسلام پیش کیا اور قرآن پڑھ کر سنایا۔ حضرت اسعدؓ اور حضرت مصعبؓ کا بیان ہے کہ ان کے بولنے سے پہلے ہی ہم ان کے چہرے کی بشاشت اور نرمی دیکھ کر سمجھ گئے کہ اسلام ان پر اثر کر گیا ہے۔ سعد نے ساری بات سننے کے بعد کہا، اس دین میں داخل ہونے کے لیے تم لوگ کیا کرتے ہو؟ انہوں نے وہی بات ان سے بھی کہی جو حضرت اُسید سے کہی تھی، اور وہ پاک صاف ہو کر آئے، کلمۂ شہادت ادا کیا، دو رکعتیں پڑھیں اور اپنا نیزہ لیے ہوئے اپنے قبیلے کی طرف پلٹ گئے۔

حضرت سعدؓ جب لوگوں کے سامنے پہنچے تو انہیں آتے دیکھ کر ہی لوگ بول اُٹھے کہ یہ وہ چہرہ نہیں ہے جسے لیے ہوئے سعدؓ گئے تھے۔ اُنہوں نے آتے ہی کہا ''اے بنی عبدالاشہل، تم میرے بارے میں کیا جانتے ہو؟'' سب نے کہا ''ہمارے سردار، ہم میں سب سے زیادہ صلۂ رحمی کرنے والے، ہم میں سب سے بڑھ کر صائب الرائے اور ہم میں سب سے زیادہ عمدہ عقل اور تجربہ رکھنے والے۔'' حضرت سعدؓ یہ جواب سُن کر بولے ''تمہارے مردوں اور تمہاری عورتوں سے بات کرنا مجھ پر حرام ہے جب تک تم اللہ اور اس کے رسولؐ پر ایمان نہ لے آؤ۔'' اس کے بعد شام ہونے سے پہلے بنی عبدالاشہل کے سب مرد و عورت مسلمان ہو گئے۔ صرف ایک صاحب الاصیرِم عمرو بن ثابت رہ گئے تھے، تو وہ عین غزوۂ اُحُد

Marfat.com

کے موقع پر ایمان لائے اور ایک سجدے کی نوبت آنے سے پہلے ہی شہید ہو گئے اور حضورؐ نے فرمایا وہ جنتی ہیں۔ یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ بنی عبدالاشہل میں ایک شخص بھی منافق نہ تھا۔ مسلمان ہونے کے بعد حضرت سعد بن معاذ اور اُسید بن حضیر بنی عبدالاشہل کے بُت توڑتے پھرتے تھے۔

حضرت مصعب مدینے میں پیہم تبلیغ کرتے رہے، یہاں تک کہ انصار کے محلوں میں سے کوئی محلّہ ایسا نہ رہا جس میں مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں موجود نہ ہوں۔ صرف تین چار گھرانے ایسے رہ گئے جنہوں نے غزوہ خندق تک اسلام قبول نہ کیا۔

Marfat.com

بلال سے سیّدنا بلال تک

میں، بلال حبشی جو ایک آزاد شدہ غلام تھا اسلام کی بدولت اس درجے پر پہنچ گیا کہ بعض صحابہ عقیدت واحترام کی وجہ سے مجھے سیّدنا بلال کہنے لگے۔

یہ بات بتاتے ہوئے میں مسکراتا ہوں، مجھے اس اظہار فخر کے گناہ پر معاف فرمایئے۔ کیونکہ میں کوئی عام قسم کا رہنما نہیں تھا مگر میں واقعتاً کہہ سکتا ہوں اور میرے علاوہ بہت کم ایسا کہہ سکتے ہیں کہ میں فطرتاً پیدائشی لیڈر تھا۔ ہر غلام کے دماغ کی تہہ میں داؤ لگا کر نکل جانے کا تصور موجود ہوتا ہے جبکہ میں نے مکے سے نکلنے میں پہل کی تھی۔ ہم چھوٹے چھوٹے گروہوں میں بٹ کر مدینے کی طرف جا رہے تھے، اور ''شعلے اگلنے والے'' ابولہب کو پیچھے تڑپتا ہوا چھوڑ رہے تھے۔ اس شخص کا رہنما ابلیس لعین تھا۔

ان چھوٹے گروہوں کو رسول اللہ کئی راتوں سے رخصت کر رہے تھے۔ آپ ہر جگہ موجود پائے جا رہے تھے۔ آپ ہمارے گروہوں کا معائنہ فرماتے، ہم میں جذبہ ابھارتے، منصوبے ترتیب دیتے اور روانگی کے اوقات مقرر کرتے۔ آپؐ سب سے زیادہ جو خطرہ محسوس کر رہے تھے وہ یہ تھا کہ اکٹھے روانہ ہونے پر ہم صحرا میں یکبارگی ہلاک نہ کر دیئے جائیں۔ اس لئے ہمیں ایک دوسرے سے دور رہ کر منزل مقصود کی طرف بڑھنا تھا۔ ہدایت یہ ملی تھی کہ ہم مختلف راستوں سے روانہ ہوں تاوقتیکہ ان لوگوں کی رسائی سے باہر نکل جائیں۔ مجھے جو گروپ دیا گیا وہ چھ مردوں، دو عورتوں اور تین بچوں پر مشتمل تھا۔ ان میں سے ایک بچے کو نبی اکرمؐ ایک میل تک اٹھا کر لے گئے، پھر ہمیں جانے کا حکم دے دیا۔ ایک اور بات بتادوں کہ مجھے صحرا میں ایک شیر بھی دکھائی دیا، میرا جی چاہتا تھا کہ اس کا مقابلہ کروں۔ مگر میں نے اپنے اس

Marfat.com

جذبے پر قابو پالیا، کیونکہ میں ایک قافلے کا قائد تھا، اور اپنے ماتحتوں کو بخیریت منزل پر پہنچانا میرا فرض منصبی تھا۔

مکہ اور مدینہ کے درمیان ڈھائی سو میل کا فاصلہ ہے۔ موسم گرما میں عموماً یہ راستہ 9 دنوں میں طے ہو جاتا ہے، بچے ساتھ ہوں تو گیارہ دن لگ جاتے ہیں۔ ہزاروں برسوں میں لاکھوں افراد نے یہ سفر کیا ہوگا۔ اور صحرا میں چلنے والی تند و تیز ہواؤں سے ریت میں بنے ہوئے کروڑوں نقوش پا کو مٹایا ہوگا۔ مگر ہمارے قدموں کے نشانات مٹنے والے نہیں تھے۔ ہم مختلف لوگ تھے۔ کیونکہ ہم تجارت کا سامان اِدھر سے اُدھر کرنے والوں میں سے نہیں بلکہ ربّ السماوات والارض کے ایک عائد کردہ ایک فریضے کی ادائیگی میں یہ سفر طے کر رہے تھے۔ جب تک دنیا سانس لیتی رہے گی ہمارے قدموں کے نشانات قائم رہیں گے۔ کیونکہ ہم ''سالِ اولِ'' کا ''یومِ اول'' تھے۔ ہمارے سفرِ ہجرۃ سے ہماری تقویم (کیلنڈر) کا آغاز ہو رہا تھا۔ ہمارے انہی قدموں سے زمانہ شروع ہوا تھا۔

اگرچہ یہ جُون کا مہینہ تھا اور سفر کے لیے سال کا بدترین حصہ سمجھا جاتا تھا۔ مجھے اعتراف کرنا ہے کہ یہ ہمارے لیے زیادہ مشکل نہیں تھا۔ جو صعوبتیں ہم نے جھیلی تھیں ان کے مقابلے میں یہ کوئی صعوبت نہیں تھی۔ ہمیں جن ہواؤں کا خوف تھا، وہ رک گئی تھیں۔ ہمارا کوئی تعاقب نہیں ہو رہا تھا ستاروں کی روشنی ہمیں راستہ دکھاتی رہی۔ پانچویں روز ہمیں چند خانہ بدوش دکھائی دیئے وہ تین یا چار تھے جو تیزی سے افقِ مرئی کو عبور کر رہے تھے مگر ایک منٹ میں ہماری نظروں سے اوجھل ہو گئے۔ ہمارے قافلے کے بچوں میں سے ایک نے ایک شتر مرغ کو اٹھا دیا اور میں نے اس کا اس خیال سے تعاقب شروع کر دیا کہ ہمارے کھانے کا بندوبست ہو جائے گا مگر وہ تیزی سے نکل بھاگا۔

ہمیں چھوٹی موٹی مشکلات پیش آتی رہیں۔ گرمیوں کا سفر ہو تو یہ تو نہیں ہو سکتا تھا کہ صحرا اپنے اثرات نہ دکھاتا۔ تمام بچے یکے بعد دیگرے بیمار پڑتے رہے۔ لیکن وہ ہماری پشت پر سواری کر کے محظوظ بھی بہت ہوتے تھے۔ مردوں میں سے ایک کا پاؤں زخمی ہو گیا۔ تین دن تک اس نے اپنی یہ تکلیف ہم سے چھپائے رکھی، لیکن میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھ لیا کہ وہ کچھ چھپا رہا ہے، پاؤں سے اس نے اس کا اظہار نہیں ہونے دیا۔ جب اسے

Marfat.com

محسوس ہو گیا کہ مجھے پتہ چل چکا ہے تو قبل اس کے کہ میں کچھ کہتا اس نے اپنی رفتار تیز کر دی۔ ایسے معلوم ہو رہا تھا کہ وہ آگ میں چل رہا ہو، یہ چھوٹے قد کا آدمی تھا، اس کی تکلیف کا سب کو احساس ہونے لگا۔ ہم نے اس کے پاؤں کو دیکھنے کی خواہش ظاہر کی مگر اس نے کسی کو قریب نہ آنے دیا۔ بہر حال ہم مدینہ اس حال میں پہنچے کہ اس کا ہاتھ میرے کندھے پر تھا۔ یہ تھا سفر ہجرت۔

Marfat.com

رسول اللہؐ کا سفرِ ہجرت

مکے سے ہمیں نکلے ہوئے چھٹا روز تھا۔ اس وقت تک ہمیں معلوم نہیں تھا کہ ہمارے چلے آنے کے بعد کیا کچھ ہوا اور مدینہ پہنچے ہوئے ہمارے ''یارانِ طریقت'' کس حال میں ہیں۔ اس روز حمزہ نے ہمیں پا لیا، وہ صحرا میں شیروں کو خوفزدہ کرتے ہوئے، گرتے پڑتے لوگوں کو اٹھاتے اور سہارا دیتے ہوئے، اپنے اونٹ کو کبھی آگے بھگا لے جاتے اور کبھی بہت پیچھے والوں کی حفاظت کے لیے چلے جاتے۔ انہوں نے ہمیں ایسی خبر دی جو ہم سننا نہیں چاہتے تھے۔ خبر یہ تھی کہ آنحضرت صلعم نے مکہ ہی میں ٹھہرنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ جب تک آخری مسلمان بھی نہیں نکل جاتا آپؐ وہیں رہیں گے۔

آپؐ نے انہیں (کفار کو) ہم سے دور رکھا ہوا تھا۔ وہ لوگ سمجھتے تھے کہ جب اصل آدمی ان کے پاس ہے، ان چھوٹے موٹے بندوں کے نکل جانے سے کیا فرق پڑے گا؟ چھتے کی ملکہ مکھی اپنے ہاتھ میں ہو تو کارکن مکھیوں کے بکھر جانے کا کیا غم؟ آپؐ کھلم کھلا اپنے دشمنوں میں گھومتے اور انہیں اپنے قتل پر اکساتے رہے جب کہ ہم جلدی جلدی جائے پناہ میں پہنچنے کی کوشش کر رہے تھے۔ آپؐ کی شجاعت کسی مادی سہارے کی مرہونِ منت نہیں تھی اس کا سرا اوپر والے ہاتھ میں تھا۔

وہاں کیا کچھ ہوا اس کا ہمیں کئی ہفتوں کے بعد پتہ چلا۔ کہانی کی ترتیب اب تقاضا کرتی ہے کہ میں اپنے شب و روز کی بجائے مکہ کے حالات بیان کروں۔

سردارانِ مکہ نے آپؐ کو شہید کرنے کا منصوبہ تیار کر رکھا تھا، اور اسے رُو بہ عمل لانے کے لیے موقع تلاش کر رہے تھے۔ یہ منصوبہ بڑی چالاکی کے ساتھ آئندہ متوقع حالات کو

Marfat.com

سامنے رکھ کر مرتب کیا گیا تھا۔ وہ چاہتے تھے کہ وہ قتل بھی کریں اور اپنے ہاتھوں پر لگے خون کو بھی اسی ندی میں صاف کریں جو پہلے ہی ان کے جور وستم کی گندگی سے آلودہ ہو چکی تھی۔ چنانچہ انہوں نے سات قبیلوں میں سے سات افراد کو چنا جو نیزوں سے مسلح تھے، انہیں اپنے اپنے نیزے بیک وقت آپؐ کے جسد مبارک میں پیوست کرنے کے لیے کہا گیا تھا تاکہ قتل کی ذمہ داری کسی ایک قبیلے پر آنے کی بجائے ساتوں میں منقسم ہو جائے۔ سات بار گرے ہوئے خون کا آسانی سے انتقام نہیں لیا جا سکتا اور اسے دھو کر صاف کرنا بھی آسان ہوتا ہے۔

سات نیزوں کی تجویز ایک سفاکانہ قتل کو چھپانے کی اتنی عیارانہ تدبیر تھی کہ سردارانِ قریش نے یہ شیطان الرجیم اللّعین کی مدد سے سوچی تھی بلکہ وہ انسان کا روپ بدل کر خود ان کی مجلس مشاورت میں شریک ہوا ہو گا۔ شیطان کا انسانی روپ اختیار کرنا اس کا پرانا مشغلہ چلا آ رہا تھا، وہ خدا کی نافرمانی کرنے والوں کا ہمیشہ مددگار رہا ہے۔ اور اپنے ہمنوا انسانوں میں اس طرح گھل مل جاتا ہے کہ خاکی بندے اس کی ذرا بھر بھی شناخت نہیں کر سکتے۔

یہ شیطانی منصوبہ بُری طرح ناکام ہوا، نیزے اُٹھے تو ضرور مگر لگا ایک بھی نہیں۔ سات کارندے رات کے وقت یکبارگی پیغمبر کے حجرے میں گھس گئے، ان کا خیال تھا کہ آپؐ سو رہے ہوں گے۔ مگر آپؐ کو پہلے ہی سُن گن مل چکی تھی، اس لیے اس رات آپ نے اپنے چچا زاد حضرت علیؓ کو اپنے بستر میں سلا دیا تھا۔ میں علیؓ کو جانتا ہوں، وہ بہت نڈر اور ملنسار شخص ہیں۔ وہ نیزہ برداروں کو اپنے اوپر جھکے پا کر مسکرائے اور انہیں خالی بستر دکھا کر بتایا کہ آپؐ کہیں جا چکے ہیں۔ میں لوگوں کی امانتیں واپس دینے کے لیے یہاں ٹھہرا ہوا ہوں۔

آنحضرتؐ مکہ سے باہر تھے تاہم ابھی خطرے ہی میں تھے۔ ابوسفیان نے اعلان کیا کہ جو کوئی آپؐ کو واپس لائے گا، یا آپؐ کا سر لائے گا اسے ایک سو اونٹ انعام میں دیئے جائیں گے۔ گویا انسان کا شکار ایک نیا کھیل بن گیا تھا۔ میں ایک سابق غلام کی حیثیت سے آپ کو یہ بتانے کی پوزیشن میں ہوں کہ انسان اپنی نوع کے ارکان کا کتنے جوش وخروش کے ساتھ تعاقب کرنے پر تیار ہو گیا تھا۔ اس کے لیے دو ٹانگوں پر چلنے والے اپنے ہمجنسوں کا شکار

Marfat.com

وحشی یا بزدل جانور کے شکار سے کہیں زیادہ باعثِ تسکین بن گیا۔ تاہم نمرود کی طرح وہ صرف اپنی ہی ذات کا تعاقب کرتے ہوئے آگ میں جا پہنچتا ہے۔

محمد صلی اللہ علیہ وسلم بہت دانا اور ہوشمند تھے آپ نے کھلے صحرا میں مدینے کی طرف دوڑ لگا دینا مناسب نہ سمجھا۔ جونہی ابوسفیان کی طرف سے خطیر انعام کا اعلان ہوا سارے صحرا میں سرپٹ گھوڑے دوڑانے والوں کا ایک جال بچھ گیا۔ خدا نے آپ کو مدینے سے دور، الٹی جانب نکل جانے کی راہ سُجھا دی۔ آخر آپ نے غارِ ثور میں پناہ لے لی۔ جیسا کہ قرآن کہتا ہے ''اللہ تعالیٰ بہترین تدبیر کار ہے۔'' آپؐ کے ساتھ حضرت ابوبکر تھے۔ جنہیں ہم رسولِ خدا کا یارِ غار کہتے ہیں۔ لیکن سو اونٹ انعام میں ملنے کا لالچ کوئی چھوٹی موٹی بات نہ تھی کہ لوگ قسمت آزمائی نہ کرتے۔ بدقسمتی سے اس بار مکہ میں ایک کھوجی آ کر رہنے لگا تھا۔ یہ میری ہی طرح کا حبشہ ایک سیاہ فام تھا جو صحرا کا ایک مسلمہ ماہر تھا، اس کے بارے میں کہا جاتا تھا کہ وہ ہوا کو سونگھ کر بتا دیتا تھا، کہ اوپر کونسے پرندے اڑ رہے ہیں۔ وہ چٹانوں کو دیکھ کر بتا دیتا تھا کہ ان پر پڑے ہوئے قدموں کے نشانات کس جانور کے ہیں۔ اس کے دوستوں کا دعویٰ تھا کہ اس کی نظر اتنی تیز تھی وہ سوّر کی طرح ہوا کو ''دیکھ'' سکتا تھا۔ نبی اکرمؐ کے قدموں کے نشان تلاش کرنے والے لوگ آپ کے آگے بڑھنے کے نشانات ڈھونڈ رہے تھے، لیکن اس نے آپ کے پیچھے کی طرف جانے کے نشان ڈھونڈ لیے اور کہا محمدؐ سیدھے آگے کی جانب ہرگز نہیں بڑھے۔ چنانچہ اس نے قدموں کی نشاندہی کرتے کرتے دشمنوں کو غارِ ثور تک پہنچا دیا۔ پھر وہ کندھے اچکاتا ہوا بیٹھ گیا، کہ میں اپنا کام کر چکا ہوں باقی تم خود کر لو۔

امیہ، ابوجہل اور دوسرے خون کے پیاسے غار کے دہانے کے قریب کھڑے تھے۔

اندر ابوبکرؓ نے گھبرا کر کہا ''ہم تو ختم ہو گئے، وہ تقریباً بیس ہیں اور ہم صرف دو ہیں۔''

''مت ڈرو، ہمارے ساتھ ایک اور بھی ہے، وہ اللہ ہے۔ اس طرح ہم تین ہیں'' اسی لمحے ایک مکڑی نے جلدی جلدی غار کے دہانے پر جالا تن دیا۔ اور سفید کبوتروں نے اسی دہانے پر اپنا آشیانہ بنانا شروع کر دیا۔ جب کہ رسول اللہ اور ابوبکر اندر اندھیرے میں بیٹھے تھے۔

Marfat.com

پھر میرا پرانا آقا اپنی تلوار کے ساتھ ڈھیلے بھی لے کر آیا، خوف کی وجہ سے اس نے مکڑی اور کبوتروں کی طرف ڈھیلے پھینکے، یہ ننھے ننھے جانور خوفزدہ ہو گئے، کبوتر پھُر کر کے اُڑ گئے اور جالا تاننے والی مکڑی ایک شگاف میں گھُس گئی۔ لیکن ان کا آشیانہ اور جالا، اس کی آنکھوں کے سامنے تھا۔ جو ''گواہی'' دے رہے تھے کہ یہاں ''کوئی نہیں کوئی نہیں''۔ امیّہ نے کھوجی کو ڈانٹا، کوئی انسان اس جالے کو توڑے بغیر غار کے اندر داخل نہیں ہوسکتا اور نہ پرندے، انسان کی گزرگاہ کے قریب اپنے آشیانے بناتے ہیں۔ پھر وہ دوبارہ گھوڑے پر سوار ہو کر واپس چل دیا۔

شاید یہ قدرتی واقعات تھے، مکڑیاں جالے بُنتی رہیں گی اور کبوتر آشیانے بناتے رہیں گے تاہم اس روز رسولِ خدا کی زندگی مکڑی کے جالے کے تار کے ساتھ معلّق تھی اور مذہب دو کبوتروں پر منحصر تھا۔ یا شاید خالقِ ارض و سما محض لطف لینے اور اپنے دشمنوں کا غرور توڑنے کے لیے اپنی حقیر مخلوق سے کام لیتا ہے۔ جیسے اس نے خدائی کے دعویدار نمرود کی ناک میں مچھر گھسیڑ دیا اور اس کے درباری طبیب نے ''بصد احترام'' اس کے سر میں روزانہ دس جوتے مارنے کا مجرب نسخہ تجویز کیا تھا۔

غارِ ثور کے مکینوں نے تین دن خدا کی معیّت میں دشمنانِ خدا کے چھٹ جانے کا انتظار کیا جب وہ اپنی سعی لاحاصل سے تھک کر واپس چلے گئے، رات ہوئی تو عبداللہ بن اریقط لیثی نامی بدّو جو خفیہ راستوں سے واقف تھا دو اونٹ اور اشیائے خوردنی کی ایک بوری لے کر آپؐ کے پاس آ پہنچا۔ پیغمبر، ایک صحابی اور ایک رہبر راستہ ٹٹولتے ہوئے پہاڑ سے اُتر کر مغرب کی طرف چل پڑے۔ مدینہ ابھی کافی دور تھا۔ دو دن کے بعد بحیرۂ احمر کے تقریباً ساتھ ساتھ انہوں نے شمال کی طرف نصف دائرہ بنایا اور تمام معروف راستوں سے بچتے ہوئے چلتے رہے۔ اس کے باوجود ایک گھوڑ سوار تعاقب کرتا ہوا قریب آ پہنچا، یہ سراقہ نامی شخص تھا لیکن خدائے محمد رسول اللہ اور ابوبکر صدیق نے اس کے بہترین نسل کے گھوڑے کو منہ کے بل گرا دیا اور سراقہ موقع پر حلقہ بگوش اسلام ہو گیا، اور اس نے آنحضرتؐ سے وعدہ لیا کہ جب آپ کی حکومت قائم ہو جائے تو اس کی جان بخشی کی جائے گی اور آنحضرتؐ نے اس کی استدعا قبول کرتے ہوئے فرمایا کہ میں تیری کلائیوں پر کسرائے ایران کے سونے کے کنگن دیکھ رہا ہوں

Marfat.com

اونٹنی کا فیصلہ

آپؐ قریب ترین کھجور کے درخت کے نیچے پہنچے۔ اترنے سے پہلے آپ کو اوّلین فیصلہ یہ کرنا تھا کہ آپ کو اس نئے شہر میں قیام کہاں کرنا ہے۔ آپ کو ہر طرف سے قیام کی پیشکشیں ہونے لگیں۔ قیام کی سب دعوتیں، لازماً فیاضی کا مظاہرہ نہیں تھیں۔ ایک اہم مہمان دراصل اپنے میزبان کو اہمیت دے رہا ہوتا ہے اور پیشکشیں کرنے والے بہت زیادہ ہوں تو وہ اکثر مخمصے کا شکار ہو جاتا ہے۔ یہ لوگ دل و جان سے آپؐ کو اپنے اپنے گھر میں قیام کی دعوت دے رہے تھے۔ کسی ایک پیشکش قبول کرنے کا مطلب دیگر تمام پیشکشوں کو مسترد کر دینا تھا، آپ کسی کا بھی دل توڑنا پسند نہیں کرتے تھے۔

پیشکش کرنے والوں میں عبداللہ بن ابیّ ابن سلول کی آواز سب سے زیادہ بلند تھی۔ اس نے آپ کی اونٹنی کی مہار تک تھام لی تاکہ اپنے گھر لے جائے اور اپنے دل میں جو ہوس اقتدار کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی، اِس میزبانی کو اُس کی تکمیل کے لیے استعمال کر سکے۔ اس نے حضورؐ سے کہا، میرا گھر مدینے کا خوبصورت ترین گھر ہے، اس میں کئی باغات ہیں اور میرے ہاں کا پکوان لذیذ ترین ہے، آئیے میرے مہمان بنئے۔ مگر آپ کے لیے واضح لفظوں میں انکار بہت مشکل تھا۔ میں آپ کی آنکھوں میں ایک چمک پا رہا تھا، آپ مشکل ترین مسئلوں کا آسان ترین حل بھی تلاش کر لیتے تھے اور وہی سب سے اچھا حل ثابت ہوتا تھا۔

چنانچہ آپؐ اپنی اونٹنی قصویٰ پر سے اترے۔ اور لوگوں سے کہا، میں اسے چھوڑ دیتا ہوں یہ جس گھر گئی میں وہیں قیام کروں گا۔ پھر آپؐ نے اپنی اس وفادار سواری کی گردن پر ہاتھ مارا اور اسے چلنے کے لیے اشارہ دے دیا۔ اس وقت سب چہروں سے ایک مخمصے کا اظہار ہو رہا تھا،

Marfat.com

آپؐ کی اس پیشگوئی کو خلیفۂ ثانی حضرت عمرؓ نے فتحِ ایران کے بعد پوری کر دکھایا۔

دریں اثنا ہم مدینہ میں آپؐ کا بے چینی کے ساتھ انتظار کرتے رہے ہم ہر صبح شہر سے باہر نکل کر صحرا تک چلے جاتے تاکہ سب سے پہلے آپ کی جھلک دیکھ سکیں لیکن چند گھنٹے تپتی دھوپ ہمیں واپس جانے پر مجبور کر دیتی۔ یہ موسم کے گرم ترین دن تھے، انسان زیادہ دیر تک نہیں چل سکتا تھا۔ جب کہ مسافروں کو لازماً کہیں ٹھہر جانا پڑتا یا سر کے عین اوپر پڑنے والی دھوپ روکنے کے لیے کپڑا دوہرا تہرا کر کے کھوپڑی کو ڈھانپنا پڑتا تھا۔ ہم ہفتہ بھر، دیکھئے مجھے کتنی اچھی طرح یاد ہے، ہم آپس میں سرگوشیوں میں باتیں کرتے تھے۔

پھر اچانک، دوپہر سے تھوڑی دیر بعد ایک شور سنائی دیا اور ہر کوئی دوڑ رہا تھا۔ یہ ایک یہودی تھا جس کی دور دور تک دیکھ سکنے کی بڑی تعریف کی جاتی تھی۔ آپؐ کو دور سے آتے ہوئے سب سے پہلے اسی نے دیکھا تھا، یہ تین چھوٹے چھوٹے انسانی ہیولے تھے جو اپنے اونٹوں پر اوپر نیچے ہوتے دکھائی دے رہے تھے اور اونٹ تمازتِ آفتاب کی وجہ سے آہستہ آہستہ قدم بڑھا رہے تھے۔ ہم انہیں ملنے دیوانہ وار صحرا میں دوڑے جا رہے تھے، ہمارے ہاتھوں میں تاڑ کے درخت کے پتے تھے جنہیں ہم وفورِ شوق سے ہلا رہے تھے اور گرتے پڑتے، خوشی کی آوازیں نکالتے، اور شور مچاتے ہوئے بھاگ رہے تھے۔ ہر کوئی رسولِ خدا سے جلد از جلد ملنے کی خوشی میں دیوانہ ہو رہا تھا۔

مذہب کی تاریخ میں دو عظیم سفر تھے۔ مصر سے یہودیوں کی ہجرت جسے خروج (Exodus) کہا جاتا ہے اور مکہ سے ہماری ہجرت، اگر کوئی تیسری بھی ہے تو مجھے اس کا پتہ نہیں۔ ہمیں ہجرت نے کفار و مشرکین کی طرف سے پہنچائی جانے والی اذیتوں سے نجات دلا دی۔

پیغمبر اسلام نے مدینہ منورہ میں جس روز قدم رکھا، اسلامی تقویم (کیلنڈر) کا یہ روزِ اوّل تھا اور سن عیسویں کے حوالے سے یہ 28 جون 622 تھا جب کہ یہودیوں کے آباؤ اجداد کی تاریخ کے لحاظ سے یہ 4382 تھا۔

Marfat.com

ماسوائے قصویٰ کے، جو اپنی گہری سوچ میں جگالی کرتی اور اپنی لمبی گردن کو ادھر ادھر گھماتی ہوئی چل رہی تھی، ہم سب پیچھے پیچھے چل رہے تھے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ ہم اس کی دُم کے ساتھ بندھے ہوئے تھے مگر یہ ضرور کہوں گا کہ وہ جس طرف دیکھتی اس کے ساتھ ہماری گردنیں بھی گھوم جاتیں۔ اس وقت ہمیں اندازہ نہیں تھا۔ لیکن اس نے نبی اکرمؐ کی پریشانی اور ہمارے تجسّس کا بالکل صحیح اندازہ کر رکھا تھا۔ آپؐ نے اپنی سیاسی زندگی کا اہم ترین فیصلہ اس بوجھ اٹھانے والی مخلوق کے سپرد کر دیا تھا کہ وہ جہاں بیٹھے گی وہاں آپ قیام کرنے کے علاوہ اپنی مسجد بھی بنائیں گے، وہی آپ کا صدر مقام ہوگا اور وہیں پر سفیروں کی آمدورفت ہوگی۔

قصویٰ کافی دیر چلتی رہی اور ایک جگہ جا کر ٹھہر گئی۔ مگر یہ ٹھہرنا ایک لمحہ بھر کا تھا۔ اس نے گردوپیش کا جائزہ لیا، کچھ سونگھا، درختوں کے دو تین پتے کھا کر پچھلے خود کو کھرچا، ایک قدم پیچھے ہٹی اور پھر چل دی۔ ہم نے اطمینان کا سانس لیا اور اس کے پیچھے چلتے رہے۔ مجھے عبداللہ بن ابی ابن سلول کی آواز سنائی دی جو خوشی و غم کے ملے جلے جذبات کا اظہار کر رہا تھا جن میں ایک فقرہ یہ بھی تھا ''یہ شخص میرے گمان سے بھی زیادہ ہوشیار ہے، اس نے اپنے قیام کا فیصلہ اونٹنی پر چھوڑ کر کسی کو بھی ناراض نہ کرنے کا طریقہ نکال لیا ہے۔''

میں قصویٰ کے پیچھے چلتا رہا، وہ دو قدم اٹھاتی تو مجھے چار قدم اٹھانے پڑتے۔ ہر اونٹ کا ہر کتے کی طرح ایک خاص دن ہوتا ہے، اس اونٹنی کا خاص دن آج کا تھا اور مجھے کوئی شبہ نہیں کہ اس نے اس روز جس گھر کو منتخب کیا، اس گھر اور اس اونٹنی کا ذکر اس دنیا کے آخری دن تک ہوتا رہے گا۔ سکندرِ اعظم کے جنگی گھوڑے ''بوسیفیلس'' (Bucephalus) اور شاہِ روم ''کیلی گولا'' (Caligula) کے سینیٹر گھوڑے ''انسٹیٹس'' (Incitatus) کو دنیا بھلا سکتی ہے لیکن محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی قصویٰ کو فراموش نہیں کیا جا سکتا (یہ امر قابل ذکر ہے کہ شاہ روم ''کیلی گولا'' نے رومن سینٹروں کو ذلیل کرنے کے لیے اپنے گھوڑے کو سینیٹر بنوا دیا تھا)۔ قصویٰ اپنی سفید کھال، بڑے بڑے نتھنوں اور فلسفیوں کی طرح نظریں جما کر دیکھنے کے انداز کی وجہ سے اپنی نوع کا کامل نمونہ تھی۔ مگر چونکہ ہر کاملیت کے اندر ایک آدھ خامی بھی ہوتی ہے۔ قصویٰ کی واحد خامی یہ تھی کہ جوانی کے زمانے میں اونٹوں کی ایک لڑائی میں ایک دوسرے اونٹ نے اس کا بایاں کان کاٹ کھایا تھا۔

Marfat.com

اچانک قصویٰ کو ایک جگہ پسند آ گئی۔ یہ ایک چھوٹا سا کھیت تھا جس کی اطراف کا تعین پانچ درخت کر رہے تھے۔ مگر ایسے معلوم ہوا کہ یہ تماشائیوں کے ساتھ دل لگی کر رہی ہے۔ اس نے اپنے گھٹنے جھکائے، ذرا سی نیچے ہوئی لیکن پھر اٹھ کھڑی ہوئی۔ ذرا اور آگے چل کر پیچھے ہٹی، جگہ کو سونگھا، اپنی دم ہلا کر مکھیوں کو بھگایا۔ پھر اس نے شمال میں یروشلم کی طرف اور جنوب میں مکے کی جانب نظریں دوڑائیں۔ بلبلانے کی آواز نکالی اور دوبارہ نیچے کو جھکی، اس دفعہ وہ اپنے بدن کے وزن کو زیادہ نیچے لے گئی۔ اور بالآخر بیٹھ گئی۔ اپنی گردن لمبی کی اور ٹھوڑی زمین پر رکھ دی۔ بس یہ جگہ تھی جو اس نے حتمی طور پر منتخب کر لی۔

محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی محوِ استراحت اونٹنی کے اوپر کھڑے ہو کر بہ آوازِ بلند اعلان کیا، ''میں یہیں ٹھہروں گا تم مجھے یہیں دفن کرو گے، میں یہاں ایک مسجد بناؤں گا۔''

اوّلین مسجد کی تعمیر

مدینہ میں مسجد کی تعمیر کا کام صبح سویرے شروع ہوا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز فجر کے بعد کھجور کے پانچ درختوں کے درمیان اپنے نیزے کی نوک سے مسجد کی پہلی لائن کھینچ دی۔ ان درختوں کے درمیان بالکل برابر فاصلہ تھا، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ خدا نے ہماری رہنمائی اور آسانی کے لیے خود یہ درخت لگا دیئے تھے تاکہ یہ ہماری مسجد کے ستون بن جائیں اور اس نے اپنی حکمت کے تحت ہی رسول اللہ کی اونٹنی کی یہاں تک رہنمائی کی تھی۔

جب ہم نے اولین لائنیں کھنچی ہوئی اور گھاس کی جڑوں والی مٹی اکھڑی ہوئی پائی تو ہم خوشی سے دیوانے ہو گئے۔ ہم نے اپنے پاؤں اور ہاتھوں سے مٹی کو اکھاڑنا شروع کر دیا، اینٹیں بنائیں، پتھر اٹھائے، آریوں سے لکڑی کاٹی، گارا بنایا، زمین ہموار کی، جھاڑیاں اکھاڑیں، زمین کھودی، پیڑھیوں پر چڑھ کر ٹوکریاں اوپر چڑھاتے رہے اور تعمیراتی کام کے مختلف حصوں کو دل و جان سے مکمل کرتے رہے۔ ہمارا کام جتنی مستعدی اور پھرتیلے پن کا متقاضی تھا ہم اس سے بھی زیادہ جوش کا مظاہرہ کرتے رہے، دور سے دیکھنے والوں کو ہم یقیناً ناچتے ہوئے لگتے ہوں گے۔

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم بہ نفسِ نفیس اینٹیں گارا اور مصالحہ اٹھاتے اور انہیں سیڑھی

Marfat.com

کے ذریعے اوپر لے جا کر معماروں کو پہنچاتے تھے۔ اگرچہ یہ جان جوکھوں کا کام تھا، آپ کی جگہ کوئی اور ہوتا تو اسے اتنی توانائی خرچ کرنا پڑتی کہ وہ ہفتہ بھر بستر سے لگا رہتا مگر آپ نے بیٹھنا گوارا نہ کیا۔ جہاں کہیں بھی آپ جاتے نوجوان اور بچے آپ کے پیچھے پیچھے دوڑتے تاکہ آپ کی مدد ہو سکے مگر آپ کسی کی مدد قبول نہ فرماتے کیونکہ اس سے کام بگڑنے کا خدشہ تھا۔ ایک دفعہ میں نے آپؐ کو اس تکلیف دہ مشقت سے آزاد کرانے کی کوشش کی تو آپ نے از راہِ مذاق پیشکش میری طرف پلٹ دی اور لوگوں سے کہا کہ "بے چارے بلال کی مدد کرو۔" وہ سب میری طرف بڑھ آئے۔ میں ان سے بچنے کے لیے درخت پر چڑھ گیا جب کہ آپ خوب ہنسے اور وہاں کھڑے اپنے چہرے پر سے پسینہ پونچھتے رہے۔ یہ ہنسی مذاق کام کے بوجھ کو ہلکا کرنے کا ایک ذریعہ تھا۔ ایک بار آپ نے ایک ننھے بچے کو اینٹ سمیت اٹھا لیا تاکہ اسے یہ اینٹ خود دیوار پر رکھنے میں مدد دے سکیں۔ پھر اسے کہا "اب تم کہہ سکتے ہو کہ تم نے میری مسجد کی تعمیر میں میری مدد دی تھی۔" پھر آپ نے اسے واپس اس کی ماں تک پہنچایا، اس سے بچہ بہت خوش ہوا اس کی خوشی اس کے ملکوتی چہرے کی مسکراہٹ سے ظاہر ہو رہی تھی۔

آپؐ کو کوئی بھی آرام کرنے پر آمادہ نہیں کر سکتا تھا۔ حتیٰ کہ حضرت حمزہؓ بھی۔ جب بھی انہوں نے آپؐ سے ذرا بیٹھنے کی استدعا کی تو آپ نے ان سے اپنی عبا اس زور سے چھڑوائی کہ ان پر پڑا ہوا گرد و غبار اڑ کر ان کے چہرے پر جا پڑا۔ چنانچہ ہم اپنی کوشش میں ناکام ہو گئے اور اس کے حوالہ سے اشعار گانا شروع کر دیئے:

اگر پیغمبر کام کرتے رہے
اور ہم بیٹھ گئے تو خدا
پوچھے گا تم کیوں رک گئے۔

مجھے یقین ہے کہ آپؐ جیسی بھی مشقت کرتے تھے اس کے لیے آپ کے پاس ایک تیار جواب موجود تھا۔ کیونکہ آپ ہمیں یہی تعلیم دیتے رہتے تھے۔ "کام ایک عبادت ہے اور ہاتھ سے کام کرنے والا خدا کا دوست ہے۔"

(آپؐ جانوروں سے بھی زیادہ کام لینے اور ان کے اوپر ان کی سکت سے زیادہ بوجھ

Marfat.com

لادنے سے منع فرماتے تھے۔ ایک گدھے پر دو آدمیوں کے سوار ہونے اور اونٹ پر زیادہ سامان لادنے سے آپ روکتے تھے۔ آپ کسی مخلوق پر زیادتی نہیں کرنے دیتے تھے، آپ کا ایک مشہور فرمان ہے، "اِتقو اللہ فی ھٰذِہِ البھائم فار کبوھا صالحتاً واتر کوھا صالحتاً" (اپنے جانوروں کے بارے میں خدا سے ڈرو، ان پر اس وقت سواری کرو جب یہ اچھی حالت میں ہوں، اوراس حال میں چھوڑو کہ یہ اچھے حال میں ہوں) جولوگ ان بے زبان جانوروں سے زیادہ مشقت لیتے ہیں یا کسی اور قسم کا ظلم کرتے ہیں، ان سے آخرت میں ضرور بازپُرس ہوگی۔

Marfat.com

سب سے پہلی اذان......

کیفیاتِ بلال

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اس زمانے میں بڑی بڑی شاندار عمارتیں موجود تھیں۔ ہم میں سے کوئی بھی ماہر تعمیرات نہیں تھا۔ مجھے کبھی بازنطین کے ''چرچ آف ہولی وزڈم'' کے گنبد تلے کھڑا ہونے کا کبھی موقع نہیں ملا تھا۔ لیکن ہم نے جو کچھ بنا دیا تھا، وہ دل و جان اور جذبۂ ایمان سے بنایا تھا۔ یہ ہماری عبادت گاہ تھی۔ جب ہم فرش پر کھڑے ہو کر اوپر سے چھت میں پڑے کھجور کے پتوں میں چھن چھن کر آنے والی روشنی کو دیکھتے تو دل میں عجیب کیف و سرور پیدا ہو جاتا۔ حمزہؓ نے ہماری مہارت کے اس شاندار مظہر کے لیے جو الفاظ استعمال کیے وہ یہ تھے: ''یہ موسیٰؑ کے پنگھوڑے کی مانند ہے۔'' اس موازنے پر رسول اللہ بہت خوش ہوئے۔ یہ واقعی خوشگوار ٹھنڈی جگہ تھی سبز سایہ روح کو تازگی اور آنکھوں کو فرحت بخش رہا تھا۔

لیکن اگرچہ مسجد تعمیر ہو گئی تاہم ابھی نامکمل تھی۔

میرے خیال میں یہ علیؓ تھے جنہوں نے ہمیں بتایا کہ تھوڑی سی اور تزئین کاری کی ضرورت محسوس ہو رہی ہے۔ ''ایسا لگتا ہے کہ کچھ رہ گیا ہے.........شاید اسے کچھ اور اوپر ہونا چاہیے۔'' انہوں نے چھت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

کوئی ایسا اشارہ ہونا چاہیے جو لوگوں کو نماز کے لیے اندر آنے کی دعوت دے سکتا ہو۔

عمارؓ نے کہا کہ کوئی جھنڈا ہونا چاہیے، جو نماز کے وقت بلند کر دیا جائے۔

سب اپنی اپنی تجویز دے رہے تھے کہ کون سا اشارہ یا کون سی نشانی ہو جو سب اہل

Marfat.com

ایمان کو نماز کی طرف موثر دعوت دے سکتی ہو۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہاتھ سینے پر رکھے، سب تجاویز سُن رہے تھے گویا کہ آپؐ اس بحث سے لاتعلق ہیں۔ تجاویز یہ تھیں:

''گھنٹی کیوں نہ استعمال کی جائے؟'' جواب ملا:

''عیسائی گھنٹیاں بجاتے ہیں۔''

''نقارہ بجایا جائے۔'' تجویز آئی

''نقارہ خونریزی یاد دلاتا ہے۔'' اعتراض ہوا:

''قرنا (سینگ) بجایا جائے جیسا کہ یہودی بجاتے ہیں، اس کی آواز بھی کافی دور پہنچتی ہے۔'' جواب آیا:

''قرنا سے مینڈھا ذہن میں آجاتا ہے۔''

''کیا نفیری پھونکی جائے؟'' یہ ایک اور سوال تھا۔

تجویزوں کی آمد بند ہو گئی تو ایک خاموشی چھا گئی جھنڈا، گھنٹی، نقارہ، قرنا، نفیری؟ کوئی بھی مطمئن نہیں تھا۔ گھنٹی یا گھنٹا کانوں میں جھنجھلاہٹ پیدا کرتا ہے، نقارہ دردِ سر کا باعث بنتا ہے قرنا، مینڈھے کی یاد دلاتا ہے، جھنڈا ہوا کا رخ ظاہر کرتا ہے، سوئے ہوؤں کو نہیں جگا سکتا۔

پھر مجھے عبداللہ بن زید دکھائی دیا جو آہستہ آہستہ آگے کو کھسک رہا تھا، یہ کچھ شرمایا یا ڈرا ہوا لگ رہا تھا، یہ کچھ کہنا چاہتا تھا مگر اپنی جھجک کی وجہ سے بولنے سے احتراز کر رہا تھا، میں نے اس کی حوصلہ افزائی کی اور نبی اکرمؐ کے پاس کی نشست سے ہٹ گیا تاکہ وہ قریب بیٹھ کر جو کچھ کہنا چاہتا ہے کہہ لے۔

اس نے کہا، یا رسول اللہ میں نے ایک خواب دیکھا ہے۔ جس میں ایک انسانی آواز نماز کے لیے بلا رہی ہے.......... یہ کہتے کہتے وہ چپ ہو گیا جیسے کہ وہ یہ سمجھ رہا ہو کہ کوئی بھی اس کی طرف متوجہ نہیں ہو رہا۔ ''ایک عام سی انسانی آواز۔'' یہ تجویز قابل غور تھی۔

میں نے فوراً نبی اکرمؐ کی طرف دیکھا۔ آپؐ کی آنکھوں میں آنسو رواں تھے۔ آپ عبداللہ کی طرف جھکے۔ فرمایا ''واقعی ایسا ہی ہوگا، تمہارا خواب خدا کی طرف سے ہے، جیسے تم

Marfat.com

نے کہا ہے ایسا ہی ہوگا.................. انسانی آواز بہت موزوں ہوگی۔'' آپؐ نے یہ بات اتنی ٹھہر ٹھہر کر کہی، کہ مجھے اندازہ ہوگیا کہ آپ کے یہ الفاظ آپ کا آخری فیصلہ ہیں۔

چنانچہ تجویز منظور کرلی گئی، آواز سے پکارنا تو طے پا گیا، مگر آواز کس کی ہو اور الفاظ کیا ہونے چاہئیں۔ آواز شیریں ہو یا موٹی ہو؟ میرا ذہن مختلف آوازوں کے انتخاب کے لیے دوڑتا رہا۔ ایک بچے کی آواز ہو، عورت کی ہو، کسی معمر شخص کی ہو، کسی سپاہی کی ہو، مغنّی کی ہو، کوئی عالمانہ آواز ہو۔ جب میں نے محسوس کیا اور دیکھا یہ تو رسول اللہ کا ہاتھ تھا۔ اشارہ کر رہا تھا۔

آپؐ نے فرمایا ''تمہاری آواز ہونی چاہیے............ اے بلال۔''

پہلے تو میں آپ کی کہی ہوئی بات کو سمجھنے سے قاصر رہا۔ جب میں نے اچھی محسوس کرلیا کہ یہ آپ ہی کا ہاتھ ہے اور یہ میری آواز کی قبولیت کا اشارہ ہے، میں ٹھٹکا مگر معلوم نہیں کیوں؟ میری پرانی غلاموں والی جبلتیں، جن سے چھٹکارا پانا کوئی آسان کام نہیں اصرار کر رہی تھیں کہ بس چل پڑو فی الحال کچھ سمجھنے کی ضرورت نہیں، بعد میں سمجھ لینا۔ میں نے دیکھا کہ مسجد میں موجود ہر چہرہ میری طرف دیکھ رہا ہے۔ مجھ پر واضح ہوگیا کہ اسلام کی آواز میری زبان سے ہی ادا ہوگی۔ میری کیا مجال کہ حرفِ انکار زبان پر لاسکتا۔

عبداللہ بن زید میرے قریب آیا اور اس نے میرا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر ایک ایسی بات کہی جو اب تک مجھے فخر کرنے پر آمادہ کرتی رہتی ہے۔ اس نے کہا تھا ''کاش ایسا تحفہ میرے پاس ہوتا، میں اسے فخر کے ساتھ اسلام کی نذر کرتا۔'' مجھے اس اظہارِ فخر کے اعادے پر معاف فرما دیجئے۔ میں یہ اس لیے کہہ رہا ہوں کہ عبداللہ بن زید جس سے میں بہت محبت کرتا ہوں اور اس نے مجھے بہت کچھ دیا تھا، یہ الفاظ اس نے کہے تھے۔

پھر رسول اللہ اٹھ کھڑے ہوئے۔ انہوں نے اس طرح میری طرف دیکھا، جیسے کہ وہ دیکھا کرتے تھے۔ مگر مجھے اعتراف ہے کہ آپؐ نے ابنِ زید کی بہ نسبت کم الفاظ کہے۔

آپ نے فرمایا ''تم بہت خوش آواز ہو بلال، اسے استعمال کرو۔''

میں کون سے الفاظ کہوں، یا رسول اللہ؟''

آپ نے فرمایا ''خدا کی تعریف کرو، اس کے رسول کے نام کا اعلان کرو نماز کی

Marfat.com

تلقین کرو، نماز با جماعت کے لیے بلاؤ اور آخر میں بھی خدا کی تعریف کے الفاظ کہو، بس یہ کافی ہے۔

جب کسی انسان کے سر پر، اس کی زندگی کا تاج زبردستی رکھ دیا جائے وہ اسے قبول کرنے سے کیوں پہلو تہی کرے گا محمدؐ کو جب حکمِ منصب رسالت ملا تھا۔ آپ نے اسے قبول کیا اگرچہ آپ کو کمبل اوڑھنے پڑ گئے۔ میں آپؐ سے اپنا موازنہ نہیں کر رہا ہوں، میں صرف یہ کہنا چاہتا ہوں کہ مجھے بھی کمبل درکار تھے، مگر اس وقت وہاں کمبل موجود نہیں تھے، نہ کہیں چھپنے کی جگہ تھی اور نہ بچ نکلنے کی کوئی راہ تھی۔ آپ نے فرمایا ''چلو چڑھ جاؤ، مسجد کی چھت کے ساتھ ٹیلے پر چڑھو، اور وہاں سے آواز لگانا شروع کرو۔''

میں نے اوپر کی جانب دیکھا جہاں آپؐ مجھے بھیج رہے تھے۔ چھت تو آپ سب لوگوں نے دیکھی ہو گی، اس کے ساتھ والی سیڑھیاں کتنی آرامدہ تھیں۔ ان کی بلندی کتنی مناسب تھی۔ ایک مؤذن کو اوپر جاتے ہوئے اپنی سانس روکنی پڑ رہی تھی۔ جہاں سے اسے افق کی پہلی جھلک دکھائی دیتی ہے۔ وہ سفید دھاگے (خیط الابیض) اور سیاہ دھاگے (خیط الاسود) میں فرق دکھائی دینے کا انتظار نہیں کرتا۔ اسے نئی فجر کا وقت خود بخود معلوم ہو جاتا ہے۔ لیکن جب میں اوپر چڑھنے لگا تو جہاں تک اوپر جا سکتا تھا میں گیا۔ اپنے آپ کو اوپر کھینچا ہاتھوں کے بل، پیٹ کے بل اور پھر گھٹنوں کے بل ہو کر اپنے قدموں پر کھڑا ہو گیا۔ تب بھی میں کھجور کے درختوں سے نیچے تھا۔ اوہ یہ کیا ہوا، جب میں اُس چھت پر کھڑا ہو گیا، تو میرے سر پر کچھ نہیں تھا، میرے پاس کوئی نہیں تھا جس کی میں نقل کرتا، نہ وہ الفاظ تھے جو پہلے مجھے یاد تھے۔

تاہم نیچے سے مجھے، اپنی طرف دیکھتے ہوئے چہرے دکھائی دیئے۔ خدا جانتا ہے کہ مسمّی بلال، اوّلین مؤذن اسلام تو لوگوں کو کیا بتا سکتا ہے کہ وہ چہرے تجھے کیسے لگ رہے تھے، وہ تجھے اوپر ہی اوپر بھیج رہے تھے۔ بلندی اتنی زیادہ تھی کہ تیرا سر چکرانے لگا تھا، مگر یہ چہرے تجھے کبھی نہیں گرنے دیتے۔

اُس پہلی باری پر، مجھے ایک لفظ بھی یاد نہ رہا۔ میں نے پیچھے مڑ کر نیچے دیکھا۔ محمدؐ تیسرے ستون کے پاس تھے ان کے پاس ابو بکرؓ اور عمرؓ کھڑے تھے۔ عمر طویل القامت تھے۔

Marfat.com

ایسا دکھائی دیتا تھا کہ ان کا قد درخت کے نصف حصے تک آ چکا ہے۔ نبی اکرمؐ نے اپنے دست مبارک میری طرف اٹھائے، جن کے اشارے سے آپ میری ہمت بڑھا رہے تھے اور فرما رہے تھے چلو کہو ناں۔

آپ ﷺ نے فرمایا: خدا کی تعریف بیان کرو، اس کے رسول کا اعلان کرو، نماز کی طرف بلاؤ، خدا کی تعریف کرو.......... بس یہی ہے ترتیب۔ میں نے اپنا چہرہ سیدھے رُخ کر لیا، کچھ سوچا اور سر کو ذرا پیچھے کر کے اپنی پوری آواز کے ساتھ اذان دینا شروع کر دی۔

اللہ اکبر اللہ اکبر

اشہدُ انّ لا الٰہ الا اللہ

اشہد انّ محمد رسول اللہ

حیّ علی الصلوٰۃ

حیّ علی الصلوٰۃ

حیّ علی الفلاح

حیّ علی الفلاح

اللہ اکبر اللہ اکبر

لا الٰہ الا اللہ

آج یہ الفاظ آپ پورے عالم اسلام میں ہر روز پانچ بار بصورت اذان سُنے جاتے ہیں۔ تاہم، میں جس کی زبان سے یہ پہلی بار ادا ہوئے، نہیں جانتا کہ یہ میرے اندر کہاں سے آئے تھے۔ یہ کہنے کا اِذن تو یقیناً رسول اللہ ہی نے دیا تھا۔ جب میں نے یہ الفاظ کہنے شروع کیے تو ان میں ایک ترتیب بھی پیدا ہو گئی۔ کیا ایسا نہیں ہوا کہ جب آپؐ نے اپنے کھلے ہاتھوں سے مجھے اشارہ کیا تو اشارے کے ساتھ ہی یہ میرے اندر حلول کر گئے کیونکہ میں نہیں مان سکتا کہ یہ میں نے از خود وضع کیے تھے۔ یہ مجھ سے کہلوائے گئے تھے۔ اللہ اکبر کبیراً والحمد اللہ کثیراً۔

جب میں نیچے اترا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اپنے قریب ترین بٹھایا۔ لوگ میرے ارد گرد جمع ہو گئے۔ بچوں کا ایک گروہ بھی خوشی سے چلّانے اور میرے گرد گھومنے لگا۔ ہم کیسا

Marfat.com

عجیب جوڑ تھے۔ خدا کا رسول اور ایک غلام زادہ، ساتھ ساتھ براجمان تھے۔ آپ خاصی دیر تک کچھ کہے بغیر بیٹھے رہے۔ مجھے اعتراف ہے کہ میں خود بھی اپنے اسرار میں گم صُم رہا۔ پھر آپ کو نماز کی امامت کرنے جانا تھا۔ آپ اٹھے اور مجھے اپنے بازوؤں میں لیتے ہوئے بولے ''بلال تو نے میری مسجد مکمل کر دی ہے۔''

پھر میں اور وہ تمام لوگ جو میری اذان سن کر مسجد میں آئے تھے، رسول کی قیادت میں، خدا کے حضور صف بستہ کھڑے ہو گئے۔ ہم نے بے حد خشوع و خضوع کے ساتھ رکوع اور سجدے کیے اور خدا کا ہزار ہزار شکر ادا کیا کہ اس نے ہمیں ایک نظم و ترتیب کے ساتھ اپنے سامنے سجدہ ریز ہونے کی توفیق عطا فرمائی۔

Marfat.com

Marfat.com

حضرت بلال رضؓ

(رائٹر مشہور انگریزی فلم)

The Message

ہیری آرتھر کریگ

ترجمہ: محمد یحییٰ خان

Marfat.com